یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد اول

نمبر ۳

بابت مارچ سنہ ۱۹۰۲ء

فہرست مضامین

انجمن اشاعۃ اسلام قادیان نے اخبار الحکم و تفسیر القرآن کے کارخانہ انوار احمدیہ پریس میں شیخ یعقوب علی تراب احمدی مالک و مہتمم رسالہ کارخانہ مذکور کے اہتمام میں چھپوا کر شائع کیا

دوسری مرتبہ فروری سنہ ۱۹۰۳ء ۶۔ چندہ سالانہ مع محصول ڈاک سنہ ۱۹۰۲ء کے لیے ولایتی کاغذ پر ... معمولی کاغذ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام

اس عنوان کے نیچے ہم اس عظیم الشان مضمون کو درج کرینگے جو حضرت میرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان کیطرف سے جلسۂ اعظم مذاہب پر جو دسمبر ۱۸۹۶ء مین منعقد ہوا تھا پڑھا گیا۔ اِس کانفرنس کے محرکون کیطرف سے مفصلۂ ذیل پانچ سوال اِس غرض کے لئے شائع ہوئے تھے کہ مختلف مذاہب کے علماء اِن کے جوابات اپنے اپنے مذہب کے رو سے اِس جلسہ مین پیش کرین -

(۱) انسان کی جسمانی - اخلاقی اور روحانی حالتین -

(۲) انسان کی زندگی کے بعد کی حالت یعنی عقبےٰ -

(۳) دنیا مین انسان کی ہستی کی اصل غرض اور اس غرض کی تکمیل کے اسباب -

(۴) کرم یعنے اعمال کا اثر دنیا و عاقبت مین -

(۵) علم یعنے گیان اور معرفت کے ذرائع اور وسیلے -

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

آج اس جلسۂ مبارک مین جسکی غرض یہ ہے کہ ہر ایک صاحب جو بلائے گئے ہین سوالات مشتہرہ کی پابندی سے اپنے اپنے مذہب کی خوبیان بیان فرماوین - مین اسلام کی خوبیان بیان کرونگا اور اس سے پہلے کہ مین اپنے مطلب کو شروع کرون اسقدر ظاہر کر دینا مناسب سمجھتا ہون کہ مینے اسبات کا التزام کیا ہے کہ جو کچھہ بیان کرون خدا تعالیٰ کی پاک کلام قرآن شریف سے بیان

کرون کیونکہ میرے نزدیک یہ بہت ضروری ہے کہ ہر ایک شخص جو کسی کتاب کا پابند ہو اور اس کتاب کو ربانی کتاب سمجھتا ہو وہ ہر ایک بات مین اسی کتاب کے حوالہ سے جواب دے اور اپنی وکالت کے اختیارات کو ایسا وسیع نہ کرے کہ گویا وہ ایک نئی کتاب بنا رہا ہے سو چونکہ آج ہمین قرآن شریف کی خوبیون کو ثابت کرنا ہے اور اُسکے کمالات کو دکھلانا ہے اسلئے مناسب ہے کہ ہم کسی بات مین اسکے اپنے بیان سے باہر نہ جائین اور اسی کے اشارہ یا تصریح کے موافق اور اسی کی آیات کے حوالہ سے ہر ایک مقصد کو تحریر کرین تا ناظرین کو موازنہ اور مقابلہ کرنے کیلئے آسانی ہو اور چونکہ ہر ایک صاحب جو پابند کتاب ہین اپنی اپنی الہامی کتاب کے بیان کے پابند ہین گے اور اسی کتاب کے اقوال پیش کرینگے اسلئے ہمنے اس جگہ احادیث کے بیان کو چھوڑ دیا ہے کیونکہ تمام صحیح حدیثین قرآن شریف سے ہی لی گئی ہین اور وہ کامل کتاب ہی جس پر تمام کتابون کا خاتمہ ہے۔ غرض آج قرآن شریف کی شان ظاہر ہونیکا دن ہے اور ہم خدا سے دعا مانگتے ہین کہ وہ اس کام مین ہمارا مددگار ہو آمین

سوال اول کا جواب

معزز ناظرین کو خیال رہے کہ اس مضمون کے ابتدائی صفحون مین بعض تمہیدی عبارتین ہین جو بظاہر غیر متعلق معلوم دیتی ہین مگر اصل جوابات کے سمجھنے کیلئے پہلے انکا سمجھنا نہایت ضروری ہے اس لئے صفائی بیان کیلئے قبل از شروع مطلب ان عبارتون کو لکھا گیا کہ تا اصل مطلب سمجھنے مین دقّت نہ ہو۔

اب واضح ہو کہ پہلا سوال انسان کی طبعی اور اخلاقی اور روحانی حالتون کے بارے مین ہے سو جاننا چاہئے کہ خدا تعالی کے پاک کلام قرآن شریف نے اِن تین حالتون کی اس طرح پر تقسیم کی ہے کہ ان تینون کے لئے علیحدہ علیحدہ تین مبدء ٹھہرائے ہین یا یون کہو کہ تین سرچشمے قرار دئیے ہین جن مین سے جدا جدا یہ حالتین نکلتی ہین۔

پہلا سرچشمہ جو تمام طبعی حالتون کا مورد اور مصدر ہے اسکا نام قرآن شریف نے نفس امّارہ

رکھا ہے جیساکہ وہ فرماتا ہے اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْءِ یعنے نفس امارہ مین یہ خاصیت ہے کہ وہ انسان کو بدی کیطرف جو اسکے کمال کے مخالف اور اسکی اخلاقی حالتون کے برعکس ہے جہکاتا ہے اور ناپسندیدہ اور بد راہون پر چلانا چاہتا ہے غرض بے اعتدالیون اور بدیون کی طرف جانا انسان کی ایک حالت ہے جو اخلاقی حالت سے پہلے اسپر طبعًا غالب ہوتی ہے اور یہ حالت اسوقت تک طبعی حالت کہلاتی ہے جبتک کہ انسان عقل اور معرفت کے زیر سایہ نہین چلتا بلکہ چارپایون کیطرح کہانے پینے سونے جاگنے یا غصہ اور جوش دکہلانے وغیرہ امور مین طبعی جذبات کا پیرو رہتا ہے اور جب انسان عقل اور معرفت کے مشورہ سے طبعی حالتون مین تصرّف کرتا اور اعتدال مطلوب کی رعایت رکہتا ہے اس وقت ان تینون حالتون کا نام طبعی حالتین نہین رہتا بلکہ اس وقت یہ حالتین اخلاقی حالتین کہلاتی ہین جیساکہ آگے بہی کچہہ ذکر اسکا آئیگا۔

اور اخلاقی حالتون کے سرچشمہ کا نام قرآن شریف مین نفس لوّامہ ہے جیساکہ قرآن شریف فرماتا ہے وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَۃِ یعنے مین اس نفس کی قسم کہاتا ہون جو بدی کے کام اور ہر ایک بے اعتدالی پر اپنے تئین ملامت کرتا ہے یہ نفس لوّامہ انسانی حالتون کا دوسرا سرچشمہ ہے جس سے اخلاقی حالتین پیدا ہوتی ہین اور اس مرتبہ پر انسان دوسرے حیوانات کی مشابہت سے نجات پاتا ہے اور اس جگہ نفس لوّامہ کی قسم کہانا اس کو عزّت دینے کے لئے ہے گویا وہ نفس امّارہ سے نفس لوّامہ بنکر بوجہ اس ترقی کے جناب الٰہی مین عزّت پانے کے لائق ہوگیا اور اسکا نام لوّامہ اسلئے رکہا کہ وہ انسان کو بدی پر ملامت کرتا ہے اور اس بات پر راضی نہین ہوتا کہ انسان اپنے طبعی لوازم مین شتر بے مہار کیطرح چلے اور چارپایونکی سی زندگی بسر کرے بلکہ یہ چاہتا ہے کہ اس سے اچہی حالتین اور اچہے اخلاق صادر ہون اور انسانی زندگی کے تمام لوازم مین کوئی بے اعتدالی ظہور مین نہ آوے اور طبعی جذبات اور طبعی خواہشین عقل کے مشورہ سے ظہور پذیر ہون۔ پس چونکہ وہ بری حرکت پر ملامت کرتا ہے اسلئے اسکا نام نفس لوّامہ ہے یعنی بہت ملامت کرنے والا۔ اور نفس لوّامہ اگرچہ طبعی جذبات پسند نہین کرتا بلکہ اپنے تئین ملامت کرتا رہتا ہے لیکن نیکیون

کے بجالانے پر پورے طور سے قادر ہی نہین ہوسکتا اور کبھی نہ کبھی طبعی جذبات اسپر غلبہ کرجاتے
ہین تب گرجاتا ہے اور ٹھوکر کھاتا ہے گویا وہ ایک کمزور بچہ کی طرح ہوتا ہے جو گرنا نہین چاہتا
ہے مگر کمزوری کیوجہ سے گرتا ہے۔ پھر اپنی کمزوری پر نادم ہوتا ہے۔ غرض یہ نفس کی وہ اخلاقی
حالت ہے جب نفس اخلاق فاضلہ کو اپنے اندر جمع کرتا ہے اور سرکشی سے بیزار ہوتا ہے مگر پورے
طور پر غالب نہین آسکتا۔

نفس مطمئنہ

پھر ایک تیسرا چشمہ ہے جسکو روحانی حالتون کا مبدء کہنا چاہئے اس سرچشمہ کا نام قرآن
شریف نے نفس مطمئنہ رکھا ہے جیساکہ وہ فرماتا ہے۔ یاایتها النفس المطمئنة ارجعی الی ربک
راضیة مرضیة فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی ۔ یعنے اے نفس آرام یافتہ جو خدا سے
آرام پاگیا اپنے خدا کی طرف واپس چلاآ۔ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی پس میرے بندون
مین مل جا اور میرے بہشت کے اندر آجا۔ یہ وہ مرتبہ ہے جسمین نفس تمام کمزوریون سے نجات پاکر
روحانی قوتون سے بھرجاتا ہے اور خدا تعالی سے ایسا پیوند کرلیتا ہے کہ بغیر اسکے جی ہی نہین سکتا
اور جس طرح پانی اوپر سے نیچے کیطرف بہتا اور بسبب اپنی کثرت کے اور نیز روکون کے دور ہونیسے
بڑے زور سے چلتا ہے اسی طرح وہ خدا کی طرف بہتا چلا جاتا ہے۔ اسی کیطرف اشارہ ہے جو اللہ تعالی
فرماتا ہے کہ اے وہ نفس جو خدا سے آرام پاگیا اسی کیطرف واپس چلاآ۔ پس وہ اسی زندگی مین نہ موت
کے بعد ایک عظیم الشان تبدیلی پیدا کرتا ہے اور اسی دنیا مین نہ دوسری جگہ ایک بہشت اسکو ملتا ہے
اور جیساکہ اس آیت مین لکھا ہے کہ اپنے رب کیطرف یعنی پرورش کرنیوالے کیطرف واپس آ ایسا ہی اس
وقت یہ خدا سے پرورش پاتا ہے اور خدا کی محبت اسکی غذا ہوتی ہے اور اسی زندگی بخش چشمہ
سے پانی پیتا ہے اسلئے موت سے نجات پاتا ہے جیساکہ دوسری جگہ اللہ تعالی قرآن شریف مین
فرماتا ہے قد افلح من زکها وقد خاب من دسها ۔ یعنے جسنے ارضی جذبات سے اپنے نفس
کو پاک کیا وہ بچ گیا اور ہلاک نہین ہوگا مگر جس نے ارضی جذبات مین جو طبعی جذبات ہین اپنے تئین
چھپا دیا وہ زندگی سے ناامید ہوگیا۔

غرض یہ تینون حالتین ہین جنکو دوسرے لفظون مین طبعی اور اخلاقی اور روحانی حالتین کہہ سکتے

ہیں اور چونکہ طبعی تقاضے افراط کے وقت بہت خطرناک ہو جاتے ہیں اور بسا اوقات اخلاق اور روحانیت کا ستیاناس کر دیتے ہیں اسلئے خداتعالیٰ کی پاک کتاب میں ان کو نفس امّارہ کی حالتوں سے موسوم کیا گیا۔ اگر یہ سوال ہو کہ انسان کی طبعی حالتوں پر قرآن شریف کا کیا اثر ہے اور وہ انکی نسبت کیا ہدایت دیتا ہے اور عملی طور پر کس حد تک اُن کو رکھنا چاہتا ہے تو واضح ہو کہ قرآن شریف کے رو سے انسان کی طبعی حالتوں کو اسکی اخلاقی اور روحانی حالتوں سے نہایت ہی شدید تعلقات واقع ہیں یہاں تک کہ انسان کے کھانے پینے کے طریقے بھی انسان کے اخلاقی اور روحانی حالتوں پر اثر کرتے ہیں اور اگر ان طبعی حالتوں سے شریعت کی ہدایت کے موافق کام لیا جائے تو جیسا کہ نمک کی کان میں پڑ کر ہر ایک چیز نمک ہی ہو جاتی ہے ایسا ہی یہ تمام حالتیں اخلاقی ہی ہو جاتی ہیں اور روحانیت پر نہایت گہرا اثر کرتی ہیں اسی واسطے قرآن شریف نے تمام عبادات اور اندرونی پاکیزگی کے اغراض اور خشوع خضوع کے مقاصد میں جسمانی طہارتوں اور جسمانی آداب اور جسمانی تعدیل کو بہت ملحوظ رکھا ہے اور غور کرنیکے وقت یہی فلاسفی نہایت صحیح معلوم ہوتی ہے کہ جسمانی اوضاع کا روح پر بہت قوی اثر ہے جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے طبعی افعال گو بظاہر جسمانی ہیں مگر ہماری روحانی حالتوں پر ضرور ان کا اثر ہے مثلاً جب ہماری آنکھیں رونا شروع کریں اور گو تکلف سے ہی روویں مگر فی الفور ان آنسوؤں کا ایک شعلہ اُٹھ کر دل پر جا پڑتا ہے تب دل بھی آنکھوں کی پیروی کر کے غمگین ہو جاتا ہے ایسا ہی جب ہم تکلف سے ہنسنا شروع کریں تو دل میں بھی ایک انبساط پیدا ہو جاتا ہے یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ جسمانی سجدہ بھی روح میں خشوع اور عاجزی کی حالت پیدا کرتا ہے اسکے مقابل پر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ جب ہم گردن کو اونچی کھینچکر اور چھاتی کو اُبھار کر چلیں تو یہہ وضع رفتار ہم میں ایک قسم کا تکبر اور خود بینی پیدا کرتی ہے تو ان نمونوں سے پورے انکشاف کے ساتھ کھلجاتا ہے کہ بیشک جسمانی اوضاع کا روحانی حالتوں پر اثر ہے۔

ایسا ہی تجربہ ہم پر ظاہر کرتا ہے کہ طرح طرح کی غذاؤں کا بھی دماغی اور دلی قوتوں پر ضرور اثر ہے۔ مثلاً ذرہ غور سے دیکھنا چاہئے کہ جو لوگ کبھی گوشت نہیں کھاتے رفتہ رفتہ انکی شجاعت کی

قوت کم ہوتی جاتی ہے یہانتک کہ نہایت دل کے کمزور ہوجاتے ہین اور ایک خداداد اور قابل
تعریف قوت کو کھو بیٹھتے ہین اس کی شہادت خدا کے قانون قدرت سے اسطرح پر بھی ملتی ہے کہ
چارپائوں مین سے جس قدر گھاس خور جانور ہین کوئی بھی ان مین سے وہ شجاعت نہین رکھتا
جو ایک گوشت خوار جانور رکھتا ہے۔ پرندون مین بھی یہی بات مشاہدہ ہوتی ہے پس اسمین کیا
شک ہے کہ اخلاق پر غذائون کا اثر ہے۔ ہان جو لوگ دن رات گوشت خوری پر زور دیتے
ہین اور نباتی غذائون سے بہت ہی کم حصہ رکھتے ہین وہ بھی حلم اور انکسار کے خلق مین کم ہو
جاتے ہین اور میانہ روش کو اختیار کرنیوالے دونون خلق کے وارث ہوتے ہین اسی حکمت کے
لحاظ سے خدا تعالی قرآن شریف مین فرماتا ہے کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا یعنے گوشت بھی کھاؤ
اور دوسری چیزین بھی کھاؤ۔ مگر کسی چیز کی حد سے زیادہ کثرت نہ کرو تا اسکا اخلاقی حالت پر بد اثر
نہ پڑے اور تا یہ کثرت مضر صحت بھی نہ ہو اور جیسا کہ جسمانی افعال اور اعمال کا روح پر اثر پڑتا ہے ایسا
ہی کبھی روح کا اثر بھی جسم پر جا پڑتا ہے۔ جس شخص کو کوئی غم پہنچے آخر وہ چشم پرآب ہو جاتا ہے اور
جسکو خوشی ہو آخر وہ تبسم کرتا ہے جس قدر ہمارا کھانا پینا سونا جاگنا حرکت کرنا۔ آرام کرنا غسل کرنا وغیرہ
افعال طبعیہ ہین۔ یہ تمام افعال ضروری ہماری روحانی حالات پر اثر کرتے ہین ہماری جسمانی بناوٹ کا
ہماری انسانیت سے بڑا تعلق ہے۔ دماغ کے ایک مقام پر چوٹ لگنے سے یکلخت حافظہ جاتا رہتا ہے
اور دوسرے مقام پر چوٹ لگنے سے ہوش و حواس رخصت ہوتے ہین۔ وباء کی ایک زہریلی ہوا
کسقدر جلدی سے جسم مین اثر کرکے پھر دل مین اثر کرتی ہے اور دیکھتے دیکھتے وہ اندرونی سلسلہ
جسکے ساتھ تمام نظام اخلاق کا ہے درہم برہم ہونے لگتا ہے یہان تک کہ انسان دیوانہ سا ہو کر چند منٹ
مین گذر جاتا ہے۔ غرض جسمانی صدمات بھی عجیب نظارہ دکھاتے ہین جن سے ثابت ہوتا ہے کہ روح
اور جسم کا ایک ایسا تعلق ہے کہ اس راز کو کھولنا انسان کا کام نہین۔ اس سے زیادہ اس تعلق کے ثبوت
پر یہ دلیل ہے کہ غور سے معلوم ہوتا ہے کہ روح کی مان جسم ہی ہے حاملہ عورتون کے پیٹ مین روح کبھی اوپر
سے نہین گرتی بلکہ وہ ایک نور ہے جو نطفہ مین ہی پوشیدہ طور پر مخفی ہوتا ہے اور جسم کے نشوونما کے ساتھ
چمکتا جاتا ہے خدا تعالی کا پاک کلام ہمین سمجھاتا ہے کہ روح اس قالب مین سے ہی ظہور پذیر ہو جاتی ہے۔

جو نطفہ سے رحم مین تیار ہوتا ہے جیسا کہ وہ قرآن شریف مین فرماتا ہے ثُمَّ اَنْشَاْنَاهُ خَلْقًا اٰخَرَ
فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ یعنے پھر ہم اس جسم کو جو رحم مین تیار ہوا تہا ایک اور پیدائش کے
رنگ مین لاتے ہین اور ایک اور خلقت اوسکی ظاہر کرتے ہین جو روح کے نام سے موسوم ہے اور خدا
بہت برکتون والا ہے اور ایسا خالق ہے کہ کوئی اُسکے برابر نہین۔

اور یہ جو فرمایا کہ ہم اسی جسم مین سے ایک اور پیدائش ظاہر کرتے ہین یہ ایک گہرا راز ہے جو
روح کی حقیقت دکہلا رہا ہے اور ان نہایت مستحکم تعلقات کیطرف اشارہ کر رہا ہے جو روح اور جسم کے
درمیان واقع ہین۔ اور یہ اشارہ ہمین اس بات کی بہی تعلیم دیتا ہے کہ انسان کے جسمانی اعمال او راقوال
او تمام طبعی افعال جب خدا تعالی کیلیئے اور اسکی راہ مین ظاہر ہونے شروع ہون توان سے بہی یہی الٰہی
فلاسفی متعلق ہے یعنی ان مخلصانہ اعمال مین بہی ابتدا ہی سے ایک روح مخفی ہوتی ہے جیسا کہ نطفہ
مین مخفی تہی۔ اور جیسے جیسے ان اعمال کا قالب تیار ہوتا جاتا ہے وہ روح چمکتی جاتی ہے اور جب وہ
قالب پورا تیار ہو چکتا ہے تو یکدفعہ وہ روح اپنی کامل تجلی کے ساتھ چمک اُٹھتی ہے اور اپنی روحی حیثیت
سے اپنے وجود کو دکہا دیتی ہے اور زندگی کی صریح حرکت شروع ہو جاتی ہے جبہی کہ اعمال کا پورا قالب تیار
ہو جاتا ہے معاً بجلی کیطرح ایک چیز اندر سے اپنی کہلی کہلی چمک دکہلانا شروع کر دیتی ہے یہ وہی زمانہ
ہوتا ہے جسکی نسبت اللہ تعالی قرآن شریف مین مثالی طور سے فرماتا ہے فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ
مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سَاجِدِيْنَ یعنے جب مینے اوسکا قالب بنا لیا اور تجلیات کے تمام مظاہر
درست کر لیئے اور اپنی روح اوسمین پہونک دی تو تم سب لوگ اسکے لئے زمین پر سجدہ کرتے ہوئے
گر جاؤ۔ سو اس آیت مین یہی اشارہ ہے کہ جب اعمال کا پورا قالب تیار ہو جاتا ہے تو اس قالب مین
وہ روح چمک اُٹھتی ہے جسکو خدا تعالی اپنی ذات کیطرف منسوب کرتا ہے کیونکہ دنیوی زندگی کی فنا
کے بعد وہ قالب تیار ہوتا ہے اسلئے الٰہی روشنی جو پہلے دہیمی تہی یکدفعہ بہڑک اُٹھتی ہے اور
واجب ہوتا ہے کہ خدا کی ایسی شان کو دیکھ کر ہر ایک سجدہ کرے اور اسکی طرف کھینچا جائے سو ہر ایک
اس نور کو دیکھ کر سجدہ کرتا ہے اور طبعاً اس طرف آتا ہے بجز ابلیس کے جو تاریکی سے دوستی
رکھتا ہے۔

روح کا مخلوق ہونا

پہر مین پہلی بات کیطرف رجوع کر کے بیان کرتا ہون کہ یہ بات نہایت درست اور صحیح ہے کہ روح ایک لطیف نور ہے جو اس جسم کے اندر ہی سے پیدا ہو جاتا ہے جو رحم مین پرورش پاتا ہے۔ پیدا ہونے سے مراد یہ ہے کہ اول مخفی اور غیر محسوس ہوتا ہے پہر نمایان ہو جاتا ہے اور ابتدا سے اسکا خمیر نطفہ مین موجود ہوتا ہے بیشک وہ آسمانی خدا کے ارادہ سے اور اسکے اذن اور اسکی مشیت سے ایک مجہول الکنہ علاقہ کے ساتہہ نطفہ سے تعلق رکہتا ہے اور نطفہ کا وہ ایک روشن اور نورانی جوہر ہے نہین کہہ سکتے کہ وہ نطفہ کی ایسی جزء ہے جیساکہ جسم جسم کی جزء ہوتا ہے مگر یہ بہی نہین کہہ سکتے کہ وہ باہر سے آتا ہے یا زمین پر گر کر نطفہ کے مادہ سے آمیزش پاتا ہے بلکہ وہ ایسا نطفہ مین مخفی ہوتا ہے جیساکہ آگ پتہر کے اندر ہوتی ہے خدا کی کتاب کا یہ منشاء نہین ہے کہ روح الگ طور پر آسمان سے نازل ہوتی ہے یا فضا سے زمین پر گرتی ہے اور پہر کسی اتفاق سے نطفہ کے ساتہہ ملکر رحم کے اندر چلی جاتی ہے بلکہ یہہ خیال کسیطرح صحیح نہین ٹہر سکتا اگر ہم ایسا خیال کرین تو قانون قدرت ہمین باطل پر ٹہراتا ہے ہم روز مشاہدہ کرتے ہین کہ گندے اور باسی کہانون مین اور گندے زخمون مین ہزارہا کیڑے پڑجاتے ہین میلے کپڑون مین صدہا جوئیں پڑجاتی ہین انسان کے پیٹ کے اندر بہی کدو دانے وغیرہ پیدا ہو جاتے ہین۔ اب کیا ہم کہہ سکتے ہین کہ وہ باہر سے آتے ہین یا آسمان سے اترتے کسی کو دکہائی دیتے ہین۔ سو صحیح بات یہ ہے کہ روح جسم مین سے ہی نکلتی ہے اور اسی دلیل سے اسکا مخلوق ہونا بہی ثابت ہوتا ہے۔

اب اس وقت ہمارا مطلب اس بیان سے یہ ہے کہ جس قادر مطلق نے روح کو قدرت کاملہ کے ساتہہ جسم مین سے ہی نکالا ہے اسکا یہی ارادہ معلوم ہوتا ہے کہ روح کی دوسری پیدائش کو بہی جسم کے ذریعہ سے ہی ظہور مین لاوے۔ روح کی حرکتین ہمارے جسم کی حرکتون پر موقوف ہین جس طرف ہم جسم کو کہینچتے ہین روح بہی بالضرور پیچہے پیچہے کہنچی چلی آتی ہے اس لئے انسان کی طبعی حالتون کیطرف متوجہ ہونا خدا تعالی کی سچی کتاب کا کام ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف نے انسان کی طبعی حالتون کی اصلاح کیلئے بہت توجہ فرمائی ہے اور انسان کا ہنسنا۔ رونا۔ کہانا۔ پینا۔ سونا۔ بولنا۔ چپ ہونا۔ بیوی کرنا۔ مجرد رہنا۔ چلنا۔ ٹہرنا اور ظاہری پاکیزگی غسل وغیرہ کی

شرائط بجالانا اور بیماری کی حالت اور صحت کی حالتمین خاص خاص امور کا پابند ہونا ان سب
باتون پر ہدایتین لکھی ہین اور انسان کی جسمانی حالتون کو روحانی حالتون پر بہت ہی موثر
قرار دیا ہے۔ اگر ان حالتون کو تفصیل سے لکھا جائے تو مین خیال نہین کرسکتا کہ اِس مضمون کے
سُنانے کیلئے کوئی وقت کافی ملسکے *

انسان کی ترقی کے تین طریق

مین جب خدا کے پاک کلام پر غور کرتا ہون اور دیکھتا ہون کہ کیونکر اس نے اپنی تعلیمون
مین انسان کو اسکی طبعی حالتوں کی اصلاح کے قواعد عطا فرما کر پھر آہستہ آہستہ اوپر کیطرف کھینچا ہے
اور اعلی درجہ کی روحانی حالت پہ پہنچانا چاہا ہے تو مجھے یہ پُرمعرفت قاعدہ یون معلوم ہوتا ہے
کہ اول خدا نے یہ چاہا ہے کہ انسان کو نشست برخاست اور کہانے پینے اور بات چیت اور
تمام اقسام معاشرت کے طریق سکھلا کر اسکو وحشیانہ طریقون سے نجات دیوے اور حیوانات کی
مشابہت سے تمیز کلی بخش کر ایک ادنے درجہ کی اخلاقی حالت جس کو ادب اور شائستگی کے نام سے
موسوم کرسکتے ہین سکھلاوے پھر انسان کی نیچرل عادات کو جنکو دوسرے لفظون مین اخلاق
رذیلہ کہہ سکتے ہین اعتدال پر لاوے تا وہ اعتدال پا کر اخلاق فاضلہ کے رنگ مین آجائین مگر
یہ دونون طریقے دراصل ایک ہی ہیں کیونکہ طبعی حالتوں کی اصلاح کے متعلّق ہین صرف اعلے
اور ادنے درجہ کے فرق نے ان کو دو قسم بنا دیا ہے اور اُس حکیم مطلق نے اخلاق کے نظام
کو ایسے طور سے پیش کیا ہے کہ جس سے انسان ادنی خلق سے اعلی خلق تک ترقی کرسکے *

اسلام کے معنے

اور پھر تیسرا مرحلہ ترقیّات کا یہ رکھا ہے کہ انسان اپنے خالق حقیقی کی محبّت اور رضا
مین محو ہو جائے اور سب وجود اسکا خدا کیلئے ہو جائے یہ وہ مرتبہ ہے جس کو یاد دلانیکے لئے
مسلمانون کے دین کا نام اسلام رکھا گیا ہے کیونکہ اسلام اس بات کو کہتے ہین کہ بکلّی خدا کیلئے ہو جانا
اور اپنا کچھہ باقی نہ رکھنا جیسا کہ اللہ جل جلالہ فرماتا ہے۔ بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ
فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ٥ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ
وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٥ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ
الْمُسْلِمِيْنَ ٥ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ

عن سبیله. قُل اِن کُنتُم تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِی یُحبِبکُمُ اللّٰهُ وَیَغفِر لَکُم ذُنُوبَکُم وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِیمٌ ۝ ترجمه یعنے نجات یافته وہ شخص ہے جو اپنے وجود کو خدا کے لئے اور خدا کی راہ مین قربانی کیطرح رکھہ دے اور نہ صرف نیت سے بلکہ نیک کامون سے اپنے صدق کو دکھلادے جو شخص ایسا کرے اسکا بدلہ خدا کے نزدیک مقرر ہوچکا اور ایسے لوگون پر نہ کچھہ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہونگے۔ کہہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا زندہ رہنا اور میرا مرنا اُس خدا کے لئے ہے جسکی ربوبیت تمام چیزون پر محیط ہے کوئی چیز اور کوئی شخص اُسکا شریک نہین۔ اور مخلوق کو کسی قسم کی شراکت اسکے ساتہہ نہین ہے مجھے یہی حکم ہے کہ مین ایسا کرون اور اسلام کے مفہوم پر قائم ہونے والا یعنے خدا کی راہ مین اپنے وجود کی قربانی دینے والا سب سے اول مین ہون یہ میری راہ ہے سو آؤ میری راہ اختیار کرو اور اسکے مخالف کوئی راہ اختیار نہ کرو کہ خدا سے دور جا پڑوگے ان کو کہدے کہ اگر خدا سے پیار کرتے ہو تو آؤ میرے پیچھے ہولو اور میری راہ پر چلو تا خدا بھی تمسے پیار کرے اور تمہارے گناہ بخشے اور وہ تو بخشندہ اور رحیم ہے۔

طبعی حالتوں اور اخلاقی مین مابہ الامتیاز

اب ہم انسان کے ان تین مرحلون کا جدا جدا بیان کرینگے لیکن اول یہ یاد دلانا ضروری ہے کہ طبعی حالتین جنکا سرچشمہ اور مبدء نفس امّارہ ہے خدا تعالی کے پاک کلام کے اشارات کے موافق اخلاقی حالتون سے کوئی الگ چیز نہین ہے کیونکہ خدا کے پاک کلام نے تمام نیچرل قوتون اور جسمانی خواہشون اور تقاضون کو طبعی حالات کی مد مین رکہا ہے اور وہی طبعی حالتین ہین جو بالاراده ترتیب اور تعدیل اور موقع بینی اور محل پر استعمال کرنیکے بعد اخلاق کا رنگ پکڑ لیتی ہین ایسا ہی اخلاقی حالتین روحانی حالتون سے کوئی الگ باتین نہین ہین بلکہ وہی اخلاقی حالتین ہین جو پورے فنافی اللہ اور تزکیہ نفس اور پورے انقطاع الی اللہ اور پوری محبّت اور پوری محویت اور پوری سکینت اور اطمینان اور پوری موافقت باللہ سے روحانیت کا رنگ پکڑ لیتی ہین طبعی حالتین جب تک اخلاقی رنگ مین نہ آئین کسیطرح انسان کو قابل تعریف نہین بناتین کیونکہ وہ دوسرے حیوانات بلکہ جمادات مین بھی پائی جاتی ہین ایسا ہی مجرد اخلاق کا حاصل کرنا بھی انسان کو روحانی زندگی نہین بخشتا بلکہ ایک شخص خدا تعالی کے وجود سے بھی منکر رہ کر اچھے

اخلاق وکہلا سکتا ہے دل کا غریب ہونا یا دل کا حلیم ہونا یا صلح کار ہونا یا ترک شر کرنا اور شریر کے
مقابلہ پہ نہ آنا یہ تمام طبعی حالتین ہین اور ایسی باتین ہین جو ایک نا اہل کو بہی حاصل ہو سکتی ہین جو
اصل سرچشمہ نجات سے بے نصیب اور نا آشنا محض ہے اور بہت سے چارپائے غریب بہی ہوتے ہین
اور سہلنے اور خوپذیر ہونے سے صلحکاری بہی دکہلاتے ہین۔ سوٹے پر سوٹا مارنے سے کوئی مقابلہ
نہین کرتے مگر پہر بہی ان کو انسان نہین کہہ سکتے چہ جائیکہ ان خصلتون سے وہ اعلےٰ درجہ کے
انسان بن سکین۔ ایسا ہی بد سے بد عقیدہ والا بلکہ بعض بدکاریون کا مرتکب ان باتون کا پابند
ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ انسان رحم مین اس حد تک پہنچ جائے کہ اگر اسکے اپنے ہی زخم مین کیڑے
پڑین انکو بہی قتل کرنا روا نہ رکہے اور جانداروں کی پاسداری اس قدر کرے کہ جوئین جو سر مین پڑتی
ہین یا وہ کیڑے جو پیٹ اور انتڑیون اور دماغ مین پیدا ہوتے ہین ان کو بہی آزار دینا نہ چاہئے
بلکہ مین قبول کرسکتا ہون کہ کسیکا رحم اس حد تک پہنچے کہ وہ شہد کہانا ترک کردے کیونکہ وہ بہت سی
جانون کے تلف ہونے اور غریب مکہیون کو انکے استہان سے پراگندہ کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے
اور مین مانتا ہون کہ کوئی مشک سے بہی پرہیز کرے کیونکہ وہ غریب ہرن کا خون ہے اور اس غریب
کو قتل کرنے اور بچون سے جدا کرنے کے بعد میسر آسکتا ہے ایسا ہی مجہے اس سے بہی انکار نہین کہ
کوئی موتیون کے استعمال کو بہی چہوڑ دے اور ابریشم کو پہننا بہی ترک کرے کیونکہ یہ دونون غریب
کیڑون کے ہلاک کرنے سے ملتے ہیں بلکہ میں یہان تک مانتا ہون کہ کوئی شخص دکہ کیوقت جوکون
کے لگانے سے بہی پرہیز کرے اور آپ دکہ اٹہاوے اور غریب جوک کی موت کا خواہان نہ ہو۔ بالآخر
اگر کوئی مانے یا نہ مانے مگر مین مانتا ہون کہ کوئی شخص اسقدر رحم کو کمال کے نقطہ تک پہنچا دے
کہ پانی پینا چہوڑ دے اور اس طرح پانی کے کیڑون کے بچانیکے لیئے اپنے تئین ہلاک کرے۔ مین
یہ سب کچہہ قبول کرتا ہون لیکن مین ہرگز قبول نہین کر سکتا کہ یہ تمام طبعی حالتین اخلاق کہلا سکتی ہین
یا صرف انہی سے وہ اندرونی گند دہوئے جا سکتے ہین جن کا وجود خدا کے ملنے کی روک ہے مین
کبہی باور نہین کرونگا کہ اس طرح کا غریب اور بے آزار بننا جسمین بعض چارپائون اور پرندون کا کچہہ
نمبر بڑہا ہوا ہے اعلیٰ انسانیت کے حصول کا موجب ہو سکتا ہے بلکہ میرے نزدیک یہ قانون قدرت

سے لڑائی ہے اور رضا کے ہماری خلق کے برخلاف اور اس نعمت کو رد کرنا ہے جو قدرت نے ہمکو عطا کی ہے بلکہ وہ روحانیت ہر ایک خلق کو محل اور موقعہ پر استعمال کرنیکے بعد اور پہر خدا کی راہون مین وفاداری کے ساتھ قدم مارنے سے اور اسی کا ہو جانے سے ملتی ہے جو اسکا ہو جاتا ہے اسکی یہی نشانی ہے کہ وہ اُسکے بغیر جی ہی نہیں سکتا۔ عارف ایک مچھلی ہے جو خدا کے ہاتھ سے ذبح کی گئی اور اسکا پانی خدا کی محبت ہے۔

اصلاح کے تین طریق

اب مین پہلے کلام کیطرف رجوع کرتا ہون۔ مین ابھی ذکر کر چکا ہون کہ انسانی حالتون کے سرچشمے تین ہین یعنے نفس امّارہ۔ نفس لوّامہ۔ نفس مطمئنّہ۔ اور طریق اصلاح کے بھی تین ہین۔ اول یہ کہ بے تمیز وحشیوں کو اس ادنے خلق پر قائم کیا جائے کہ وہ کہانے پینے اور شادی وغیرہ تمدنی امور مین انسانیت کے طریقے پر چلین نہ ننگے پہرین اور نہ کتون کیطرح مردار خوار ہون اور نہ کوئی اور بے تمیزی ظاہر کرین یہ طبعی حالتون کی اصلاحون مین سے ادنی درجہ کی اصلاح ہے یہ اس قسم کی اصلاح ہے کہ اگر مثلاً پورٹ بلیر کے جنگلی آدمیون مین سے کسی آدمی کو انسانیت کے لوازم سکہلانا ہو تو پہلے ادنی ادنی اخلاق انسانیت . . . اور طریق ادب کی ان کو تعلیم دی جائے گی۔ دوسرا طریق اصلاح کا یہ ہے کہ جب کوئی ظاہری آداب انسانیت کے حاصل کر لیوے تو اسکو بڑی بڑے اخلاق انسانیت کے سکھلائے جائین اور انسانی قوائے مین جو کچھ بھرا پڑا ہے ان سب کو محل اور موقعہ پر استعمال کرنیکی تعلیم دیجائے۔ تیسرا طریق اصلاح کا یہ ہے کہ جو لوگ اخلاق فاضلہ سے متصف ہو گئی ہیں ایسے خشک زاہدون کو شربت محبت اور وصل کا مزا چکھایا جائے یہ تین اصلاحین ہین جو قرآن شریف نے بیان فرمائی ہین۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اصلاح کی ضرورت کے وقت مبعوث ہونا

اور ہمارے سید و مولے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت مین مبعوث ہوئے تہے جبکہ دنیا ہر ایک پہلو سے خراب اور تباہ ہو چکی تہی جیساکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہی ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ یعنی جنگل بھی بگڑ گئے اور دریا بھی بگڑ گئے یہ اشارہ اس بات کیطرف ہے کہ جو اہلکتاب کہلاتے ہین وہ بھی بگڑ گئے اور جو دوسرے لوگ ہین جنکو الہام کا پانی نہین ملا وہ بھی بگڑ گئے ہین۔ پس قرآن شریف کا کام در اصل مردون کو زندہ کرنا تہا جیساکہ وہ فرماتا ہے اِعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِي الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا

یعنے یہ بات جان لو کہ اب اللہ تعالی نئے سر سے زمین کو بعد اسکے مرنیکے زندہ کرنے لگا ہے اس زمانہ مین عرب کا حال نہایت ورجہ کی وحشیانہ حالت تک پہنچا ہوا تہا اور کوئی نظام انسانیت کا باقی نہین رہا تہا اور تمام معاصی اُن کی نظر مین فخر کی جگہ تہے ایک ایک شخص صد ہا بیویان کر لیتا تہا۔ حرام کا کہانا ان کے نزدیک ایک شکار تہا ماؤن کے ساتہہ نکاح کرنا حلال سمجہتے تہے اسی واسطے اللہ تعالی کو کہنا پڑا حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ یعنے آج مائین تمہاری تم پر حرام ہوگئین۔ ایسا ہی وہ مُردار کہاتے تہے۔ آدم خور بہی تہے دُنیا کا کوئی بہی گناہ نہین جو نہین کرتے تہے۔ اکثر معاد کے منکر تہے۔ بہت سے اُن مین سے خدا کے وجود کے بہی قائل نہ تہے۔ لڑکیون کو اپنے ہاتہہ سے قتل کرتے تہے یتیمون کو ہلاک کر کے اُن کا مال کہاتے تہے بظاہر تو انسان تہے مگر عقلین مسلوب تہین نہ حیا تہی نہ شرم تہی نہ غیرت تہی۔ شراب کو پانی کی طرح پیتے تہے۔ جسکا زناکاری مین اول نمبر ہوتا تہا وہی قوم کا رئیس کہلاتا تہا۔ بیعلمی اسقدر رہتی کہ اِرد گرد کی تمام قومون نے انکا نام امی رکہہ دیا تہا۔ ایسے وقت مین اور ایسی قومون کی اصلاح کے لئے ہمارے سید و مولی نبی صلی اللہ علیہ وسلم شہر مکہ مین ظہور فرما ہوئے۔ پس وہ تین قسم کی اصلاحین جنکا ہم ابہی ذکر کر چکے ہین اُنکا در حقیقت یہی زمانہ تہا۔ پس اسیوجہ سے قرآن شریف دنیا کی تمام ہدایتون کی نسبت اکمل اور اتم ہونیکا دعوے کرتا ہے کیونکہ دُنیا کی اور کتابون کو ان تین قسم کی اصلاحون کا موقع نہین ملا اور قرآن شریف کو ملا اور قرآن شریف کا یہ مقصد تہا کہ حیوانون سے انسان بناوے اور انسان سے با اخلاق انسان بناوے اور با اخلاق انسان سے باخدا انسان بناوے اسی واسطے اِن تین امور پر قرآن شریف مشتمل ہے *

اور قبل اسکے کہ جو ہم اصلاحات ثلثہ مفصل بیان کرین یہ ذکر کرنا بہی ضروری سمجہتے ہین کہ قرآن شریف مین کوئی ایسی تعلیم نہین جو زبردستی ماننی پڑے بلکہ تمام قرآن کا مقصد صرف اصلاحات ثلثہ ہین اور اسکی تمام تعلیمون کا لب لباب یہی تین اصلاحین ہین اور باقی تمام احکام ان اصلاحون کے لئے بطور وسائل کے ہین اور جس طرح بعض وقت ڈاکٹر کو بہی صحت کے پیدا کرنیکے لئے کبہی چیرنے کبہی مرہم لگانے کی ضرورت پڑتی ہے ایسا ہی قرآنی تعلیم نے بہی انسانی ہمدردی کیلئے ان

قرآنی تعلیم کا منتہا اصلاحات ثلثہ ہین۔

طبعی حالتین کیونکر اخلاق مین منتقل ہو جاتی ہین

لوازم کو اپنے محل پر استعمال کیا ہے اور اسکے تمام معارف یعنی گیان کی باتین اور وصایا اور سائل کا
اصل مطلب یہ ہے کہ انسانون کو انکی طبعی حالتون سے جو وحشیانہ رنگ اپنے اندر رکھتی ہین اخلاقی
حالتون تک پہونچائے اور پہر اخلاقی حالتون سے روحانیت کے ناپیدا کنار دریا تک پہونچائے
اور پہلے ہم بیان کر چکے ہین کہ طبعی حالات اخلاقی حالات سے کچھ الگ چیز نہین
بلکہ وہی حالات ہین جو تعدیل اور موقع اور محل پر استعمال کرنیسے اور عقل کی تجویز اور مشورہ سے
کام مین لانے سے اخلاقی حالات کا رنگ پکڑ لیتے ہین اور قبل اسکے کہ وہ عقل اور معرفت
کی صلاح اور مشورہ سے صادر ہون گو وہ کیسے ہی اخلاق سے مشابہ ہون درحقیقت اخلاق
نہین ہوتے بلکہ طبیعت کی ایک بے اختیار رفتار ہوتی ہے جیساکہ اگر ایک کُتّے یا ایک بکری سے
اپنے مالک کے ساتھ محبت اور انکسار ظاہر ہو تو اوس کُتّے کو خلیق نہین کہین گے اور نہ اس بکری
کا نام مہذب الاخلاق رکھین گے۔ اسی طرح ہم ایک بہیڑئیے یا شیر کو انکی درندگی کیوجہ سے
بدخلق نہین کہین گے بلکہ جیساکہ ذکر کیا گیا اخلاقی حالت محل اور سوچ اور وقت شناسی کے
بعد شروع ہوتی ہے اور ایک ایسا انسان جو عقل و تدبیر سے کام نہین لیتا وہ ان شیر خوار
بچون کی طرح جنکے دل اور دماغ پر ہنوز قوت عقلیہ کا سایہ نہین پڑا یا ان دیوانون کیطرح
جو جوہر عقل اور دانش کو کھو بیٹھے ہین ظاہر ہے کہ جو شخص بچہ شیرخوار اور دیوانہ ہو وہ ایسی حرکات
بعض اوقات ظاہر کرتا ہے کہ جو اخلاق کے ساتھ مشابہ ہوتی ہین مگر کوئی عقلمند ان کا نام اخلاق
نہیں رکھہ سکتا کیونکہ وہ حرکتین تمیز اور موقع بینی کے چشمے سے نہین نکلتین بلکہ وہ طبعی طور پر
تحریکون کے پیش آنے کے وقت صادر ہوتی جاتی ہین جیساکہ انسان کا بچہ پیدا ہوتے ہی
مان کی چھاتیوں کیطرف رخ کرتا ہے اور ایک مرغ کا بچہ پیدا ہوتے ہی دانہ چگنے کیلئے دوڑتا
ہے۔ جوک کا بچہ جوک کی عادتین اپنے اندر رکھتا ہے اور سانپ کا بچہ سانپ کی عادتین ظاہر
کرتا ہے اور شیر کا بچہ شیر کی عادتین دکھلاتا ہے۔ بالخصوص انسان کے بچہ کو غور سے دیکھنا چاہیئے
کہ وہ کیسے پیدا ہوتے ہی انسانی عادتین دکھلانا شروع کر دیتا ہے اور پہر جب برس ڈیڑھ
برس کا ہوا تو وہ عادات طبعیہ بہت نمایان ہو جاتی ہین۔ مثلاً پہلے جس طور سے روتا تہا اب

رونا بہ نسبت پہلے کے کسی قدر بلند ہو جاتا ہے ایسا ہی ہنسنا قہقہہ کی حد تک پہنچ جاتا ہے اور آنکھوں میں بھی عمداً دیکھنے کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں اور اس عمر میں یہ ایک اور امر طبعی پیدا ہو جاتا ہے کہ اپنی رضامندی یا نارضامندی حرکات سے ظاہر کرتا ہے اور کسی کو مارتا اور کسی کو کچھ دینا چاہتا ہے مگر یہ تمام حرکات دراصل طبعی ہوتی ہیں۔ پس ایسے بچہ کی مانند ایک وحشی آدمی بھی ہے جسکو انسانی تمیز سے بہت ہی کم حصہ ملا ہے وہ بھی اپنے ہر ایک قول اور فعل اور حرکت اور سکون میں طبعی حرکات ہی دکھلاتا ہے اور اپنی طبیعت کے جذبات کا تابع رہتا ہے کوئی بات اسکے اندرونی قویٰ کے تدبر اور تفکر سے نہیں نکلتی بلکہ جو کچھ طبعی طور پر اسکے اندر پیدا ہوا ہے وہ خارجی تحریکوں کے مناسب حال نکلتا چلا جاتا ہے یہ ممکن ہے کہ اس کے طبعی جذبات جو اسکے اندر سے کسی تحریک سے باہر آتے ہیں وہ سب کے سب برے نہ ہوں بلکہ بعض ان کے نیک اخلاق سے مشابہ ہوں۔ لیکن عاقلانہ تدبر اور موشگافی کو اُن میں دخل نہیں ہوتا اور اگر کسی قدر ہو بھی تو وہ بوجہ غلبہ جذبات طبعی قابل اعتبار نہیں ہوتا بلکہ جس طرف کثرت ہے اسی کو معتبر سمجھا جائے گا۔

حقیقی اخلاق

غرض ایسے شخص کی طرف حقیقی اخلاق منسوب نہیں کر سکتے جس پر جذبات طبعیہ حیوانوں اور بچوں اور دیوانوں کی طرح غالب ہیں اور جو اپنی زندگی کو قریب قریب وحشیوں کے بسر کرتا ہے بلکہ حقیقی طور پر نیک یا بد اخلاق کا زمانہ اس وقت سے شروع ہوتا ہے کہ جب انسان کی عقل خداداد پختہ ہو کر اس کے ذریعہ سے نیکی اور بدی یا دو بدیوں یا دو نیکیوں کے درجہ میں فرق کر سکے پھر اچھے راہ کے ترک کرنے سے اپنے دل میں ایک حسرت پاوے اور برے کام کے ارتکاب سے اپنے تئیں متندم اور پشیمان دیکھے یہ انسان کی زندگی کا دوسرا زمانہ ہے جسکو خدا کے پاک کلام قرآن شریف میں نفس لوّامہ کے نام سے تعبیر کیا ہے مگر یاد رہے کہ ایک وحشی کو نفس لوّامہ کی حالت تک پہونچانے کیلئے صرف سرسری نصایح کافی نہیں ہوتیں بلکہ ضروری ہوتا ہے کہ اسکو خداشناسی کا اس قدر حصہ ملے جس سے وہ اپنی پیدایش بیہودہ اور لغو خیال نہ کرے تا معرفت آلٰہی سے سچے اخلاق اس میں پیدا ہوں اسی وجہ سے خدا تعالیٰ نے ساتھ ساتھ

سچے خدا کی معرفت کیلئے توجہ دلاتی ہے اور یقین دلاتا ہے کہ ہر ایک عمل اور خلق ایک نتیجہ رکھتا ہے جو اس زندگی مین روحانی راحت یا روحانی عذاب کا موجب ہوتا ہی اور دوسری زندگی مین کھلے کھلے طور پر اپنا اثر دکہائیگا۔ غرض نفس لوّامہ کے درجہ پر انسان کو عقل اور معرفت اور پاک کانشنس سے اس قدر حصہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ برے کام پر اپنے تئین ملامت کرتا ہے اور نیک کام کا خواہشمند اور حریص رہتا ہے یہ وہی درجہ ہے کہ جسمین انسان اخلاق فاضلہ حاصل کرتا ہے۔

خُلق اور خَلق

اس جگہ بہتر ہوگا کہ مین خُلق کے لفظ کی بہی کسی قدر تعریف کردون سو جاننا چاہئے کہ خَلق خا کی فتح سے ظاہری پیدائش کا نام ہے اور خُلق خا کے ضمہ سے باطنی پیدائش کا نام ہے اور چونکہ باطنی پیدائش اخلاق سے ہی کمال کو پہونچتی ہے نہ صرف طبعی جذبات سے اسلئے اخلاق پر ہی یہ لفظ بولا گیا ہے طبعی جذبات پر نہین بولا گیا۔ اور پہر یہ بات بہی بیان کردینے کے لائق ہے کہ جیسا کہ عوام الناس خیال کرتے ہین کہ خُلق صرف حلیمی اور نرمی اور انکسار ہی کا نام ہے یہ انکی غلطی ہے بلکہ جو کچہہ بمقابلہ ظاہری اعضا کے باطن مین انسانی کمالات کی کیفیتین رکھی گئی ہیں ان سب کیفیتون کا نام خلق ہے مثلاً انسان آنکھ سے روتا ہے اور اُس کے مقابل پر دل مین ایک قوّت رقت ہے وہ جب بذریعہ عقل خداداد کے اپنے محل پر مستعمل ہو تو وہ ایک خلق ہے۔ ایسا ہی انسان ہاتہون سے دشمن کا مقابلہ کرتا ہے اور اس حرکت کے مقابل پہ دل مین ایک قوّت ہے جسکو شجاعت کہتے ہین۔ جب انسان محل پر اور موقع کے لحاظ سے اُس قوّت کو استعمال مین لاتا ہے تو اُس کا نام بہی خلق ہے۔ اور ایسا ہی انسان کبہی ہاتہون کے ذریعہ سے مظلومون کو ظالمون سے بچانا چاہتا ہے یا ناداروں اور بہوکون کو کچہہ دینا چاہتا ہے یا کسی اور طرح سے بنی نوع کی خدمت کرنا چاہتا ہے اور اس حرکت کے مقابل پر دل میں ایک قوت ہے جسکو رحم بولتے ہین اور کبہی انسان اپنے ہاتہون کے ذریعہ سے ظالم کو سزا دیتا ہے اور اس حرکت کے مقابل پر دل مین ایک قوّت ہے جسکو عفو اور صبر کہتے ہین اور کبہی انسان بنی نوع کو فائدہ پہنچانے کے لئے اپنے ہاتہون سے کام لیتا ہے یا پیرون سے

یا دل اور دماغ سے اور انکی بہبودی کیلئے اپنا سرمایہ خرچ کرتا ہے تو اس حرکت کے مقابل پر دل میں ایک قوّت ہے جسکو سخاوت کہتے ہین۔ پس جب انسان ان تمام قوتون کو موقع اور محل کے لحاظ سے استعمال کرتا ہے تو اس وقت انکا نام خُلق رکھا جاتا ہے اللہ جلّ شانہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرماتا ہے اِنَّكَ لَعَلٰے خُلُقٍ عَظِيمٍ یعنے تو ایک بزرگ خلق پر قائم ہے سو اسی تشریح کے مطابق اِسکے معنی ہین یعنے یہ کہ تمام قسمین اخلاق کی سخاوت۔ شجاعت۔ عدل۔ رحم۔ احسان۔ صدق۔ حوصلہ وغیرہ تجھ مین جمع ہیں۔ غرض جس قدر انسان کے دل مین قوتین پائی جاتی ہین جیسا کہ ادب۔ حیا۔ دیانت۔ مروت۔ غیرت۔ استقامت۔ عفّت۔ زہادت۔ اعتدال۔ مواسات یعنی ہمدردی۔ ایسا ہی شجاعت۔ سخاوت۔ عفو۔ صبر۔ احسان۔ صدق۔ وفا وغیرہ جب یہ تمام طبعی حالتین عقل اور تدبّر کے مشورہ سے اپنے اپنے محل اور موقع پر ظاہر کیجائینگی تو سبکا نام اخلاق ہوگا اور یہ تمام اخلاق درحقیقت انسان کی طبعی حالتین اور طبعی جذبات ہین اور صرف اس وقت اخلاق کے نام سے موسوم ہوتے ہین کہ جب محل اور موقع کے لحاظ سے بالارادہ ان کو استعمال کیا جائے چونکہ انسان کے طبعی خواص مین سے ایک یہ بھی خاصہ ہے کہ وہ ترقی پذیر جاندار ہے اسلئے وہ سچّے مذہب کی پیروی اور نیک صحبتون اور نیک تعلیموں سے ایسے طبعی جذبات کو اخلاق کے رنگ مین لے آتا ہے اور یہ امر کسی اور جاندار کے لئے نصیب نہین۔

اصلاح اول یعنی طبعی حالتیں

اب ہم منجملہ قرآن شریف کی اصلاحات ثلٰثہ کے پہلی اصلاح کو جو ادنےٰ درجہ کی طبعی حالتون کے متعلق ہے ذکر کرتے ہین اور یہہ اصلاح اخلاق کے شعبون مین سے وہ شعبہ ہے جو ادب کے نام سے موسوم ہے یعنے وہ ادب جسکی پابندی وحشیون کو انکی طبعی حالتون

کھانے پینے اور شادی کرنے وغیرہ تمدنی امور مین مرکز اعتدال پر لاتی ہے اور اُس زندگی سے
نجات بخشتی ہے جو وحشیانہ اور چوپاؤن یا درندون کی طرح ہو جیسا کہ اِن تمام آداب کے بارے
مین اللہ جل شانہ قرآن شریف مین فرماتا ہے

حرمت علیکم امہاتکم وبناتکم واخواتکم وعمّتکم وخٰلتکم وبنت الاخ وبنت
الاخت وامھتکم التی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعة وامّھت نسائکم وربائبکم
التی فی حجورکم من نسائکم التی دخلتم بھن فان لم تکونوا دخلتم بھن فلا جناح
علیکم وحلائل ابنائکم الذین من اصلابکم وان تجمعوا بین الاختین الا ما قد سلف
لا یحل لکم ان ترثوا النساء کرھا ولا تنکحوا ما نکح آباءکم من النساء الا ما قد سلف
احل لکم الطیبٰت والمحصنٰت من المؤمنٰت والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتب
من قبلکم اذا آتیتموھن اجورھن محصنین غیر مسافحین ولا متخذی اخدان
ولا تقتلوا انفسکم ولا تقتلوا اولادکم لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا
وتسلموا علی اھلھا فان لم تجدوا فیھا احدا فلا تدخلوھا حتی یؤذن لکم وان قیل
لکم ارجعوا فارجعوا ھو ازکی لکم وأتوا البیوت من ابوابھا ۔ واذا حییتم بتحیة
فحیوا باحسن منھا او ردوھا ۔ انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل
الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون ۔ حرمت علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر
وما اھل لغیر اللہ بہ والمنخنقة والموقوذة والمتردیة والنطیحة وما اکل السبع وما ذبح
علی النصب یسئلونک ماذا احل لھم قل احل لکم الطیبٰت واذا قیل لکم تفسحوا
فی المجالس فافسحوا واذا قیل انشزوا فانشزوا ۔ کلوا واشربوا ولا تسرفوا وقولوا
قولا سدیدا وثیابک فطھر والرجز فاھجر ۔ واغضض من صوتک واقصد فی مشیک
وتزودوا فان خیر الزاد التقوی وان کنتم جنبا فاطھروا وفی اموالھم حق للسائل و
المحروم وان خفتم الا تقسطوا فی الیتامی فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی وثلاث
ورباع وان خفتم الا تعدلوا فواحدة او ما ملکت ایمانکم ذلک ادنی الا تعولوا وآتوا النساء صدقاتھن نحلة

ترجمہ یعنے تمپر تمہاری مائین حرام کی گئین اور ایسا ہی تمہاری بیٹیان اور تمہاری بھنیں اور تمہاری پہوپہیان اور تمہاری خالائین اور تمہاری بھتیجیان اور تمہاری بھانجیان . . . اور تمہاری وہ مائین جنہون نے تمہین دودہ پلایا اور تمہاری رضاعی بہنین اور تمہاری بیویون کی مائین اور تمہاری بیویوں کے پہلے خاوند سے لڑکیان جن سے تم ہم صحبت ہو چکے ہو اور اگر تم ان سے ہم صحبت نہین ہوئے تو کوئی گناہ نہین اور تمہارے حقیقی بیٹون کی عورتین اور ایسے ہی دو بہنین ایک وقت مین یہ سب کام جو پہلے ہوتے تہے آج تم پر حرام کئے گئے - یہ بہی تمہارے لئے جائز نہ ہوگا کہ جبراً عورتون کے وارث بن جاؤ - یہ بہی جائز نہیں کہ تم ان عورتون کو نکاح مین لاؤ جو تمہارے باپو نکی بیویاں تہین - جو پہلے ہو چکا سو ہو چکا پاک دامن عورتین تم مین سے یا پہلے اہلکتاب مین سے تمہارے لئے حلال ہین کہ ان سے شادی کرو لیکن جب مہر قرار پا کر نکاح ہو جائے بدکاری جائز نہین اور نہ چہپا ہوا یارانہ - عرب کے جاہلون میں جس شخص کے اولاد نہ ہوتی تہی بعض میں یہ رسم تہی کہ انکی بیوی اولاد کے لئے دوسرے سے آشنائی کرتی - قرآن شریف نے اس صورت کو حرام کر دیا - مسافحت اسی بد رسم کا نام ہے - پہر فرمایا کہ تم خودکشی نہ کرو اپنی اولاد کو قتل نہ کرو اور دوسرے گہرون میں وحشیون کی طرح خود بخود بے اجازت نہ چلے جاؤ - اجازت لینا شرط ہے - اور جب تم دوسرے گہرون مین جاؤ تو داخل ہوتے السلام علیکم کہو اور اگر ان گہرون میں کوئی نہ ہو تو جب تک کوئی مالک خانہ تمہین اجازت نہ دے ان گہرون میں مت جاؤ - اور اگر مالک خانہ یہ کہے کہ واپس چلے جاؤ تو تم واپس چلے جاؤ - اور گہرون میں دیوارون پر سے کود کر نہ جایا کرو بلکہ گھرون مین ان گہرون کے دروازہ مین سے جاؤ - اور اگر کوئی تمہین سلام کہے تو اس سے بہتر اور نیک تر اسکو سلام کہو - شراب اور قمار بازی اور بت پرستی اور شگون لینا یہ سب پلید اور شیطانی کام ہین ان سے بچو - مردار مت کہاؤ - خنزیر کا گوشت مت کہاؤ - بتون کے چڑہاوے مت کہاؤ - لاٹھی سے مارا ہوا مت کہاؤ - سینگ لگنے سے مرا ہوا مت کہاؤ - درندہ کا پہاڑا ہوا مت کہاؤ - بت پر چڑہایا ہوا مت کہاؤ کیونکہ یہ سب

مردار کا حکم رکھتے ہین اور اگر یہ لوگ پوچھین کہ پھر کھائین کیا۔ تو جواب یہ دے کہ دنیا کی تمام پاک چیزین کھاؤ صرف مردار اور مردار کے مشابہ اور پلید چیزین مت کھاؤ۔ اگر مجلسون مین تمہین کہا جائے کہ کشادہ ہوکر بیٹھو یعنے دوسرون کو جگہ دو تو جلد کشادہ جگہ کر دو تا دوسرے بیٹھین۔ اور اگر کہا جائے کہ تم اٹھ جاؤ تو پھر بغیر چون و چرا کے اٹھ جاؤ۔ گوشت دال وغیرہ سب چیزین جو پاک ہون بیشک کھاؤ مگر ایک طرف کی کثرت مت کرو اور اسراف اور زیادہ خوری سے اپنے تئین بچاؤ۔ لغو باتین مت کیا کرو محل اور موقع کی بات کیا کرو۔ اپنے کپڑے صاف رکھو۔ بدن کو اور گھر کو اور کوچہ کو اور ہر ایک جگہ کو جہان تمہاری نشست ہو پلیدی اور میل کچیل اور کثافت سے بچاؤ یعنے غسل کرتے رہو اور گھرون کو صاف رکھنے کی عادت پکڑو۔ نہ بہت اونچا بولا کرو نہ بہت نیچا درمیان کو نگاہ رکھو یعنے باستثناء وقت ضرورت کے چلنے مین بھی نہ بہت تیز چلو اور نہ بہت آہستہ درمیان کو نگاہ رکھو۔ جب سفر کرو تو ہر ایک طور پر سفر کا انتظام کر لیا کرو۔ اور کافی زاد راہ لے لیا کرو تا گداگری سے بچو۔ جنابت کی حالت مین غسل کر لیا کرو۔ جب روٹی کھاؤ تو سائل کو بھی دو اور کتے کو بھی ڈال دیا کرو اور دوسرے پرند وغیرہ کو بھی اگر موقع ہو۔ یتیم لڑکیان جن کی تم پرورش کرو ان سے نکاح کرنا مضایقہ نہین۔ لیکن اگر تم دیکھو کہ چونکہ وہ لاوارث ہین شاید تمہارا نفس انپر زیادتی کرے تو مان باپ اور اقارب والی عورتین کرو جو تمہاری مؤدب رہین اور ان کا تمہین خوف رہے ایک دو تین چار تک کر سکتے ہو بشرطیکہ اعتدال کرو اور اگر اعتدال نہ ہو تو پھر ایک ہی پر کفایت کرو۔ گو ضرورت پیش آوے۔ چار کی حد لگا دی گئی ہے وہ اِس مصلحت سے ہے کہ تا تم پرانی عادت کے تقاضے سے افراط نہ کرو۔ یعنے صدہا تک نوبت نہ پہنچاؤ یا یہ کہ حرامکاری کی طرف جھک نہ جاؤ اور اپنی عورتون کو مہر دو۔

غرض یہ قرآن شریف کی پہلی اصلاح ہے جسمین انسان کی طبعی حالتون کو وحشیانہ طریقون سے کھینچکر انسانیت کے لوازم اور تہذیب کیطرف توجہ دلائی گئی ہے اِس تعلیم مین ابھی اعلےٰ اخلاق کا کچھ ذکر نہین صرف انسانیت کے آداب ہین اور ہم لکھ چکے ہین کہ اس تعلیم کی یہ

ضرورت پیش آئی تھی کہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم جس قوم کی اصلاح کے لیئے آئے تھے وہ وحشیانہ حالت مین سب قومون سے بڑھی ہوئی تھی کسی پہلو مین انسانیت کا طریق اِن مین قایم نہین رہا تھا پس ضرور تھا کہ سب سے پہلے انسانیت کے ظاہری ادب ان کو سکھلائے جاتے ۔

خنزیر کی حرمت

ایک نکتہ اس جگہ یاد رکھنے کے قابل ہے اور وہ نکتہ یہہ ہے کہ خنزیر جو حرام کیا گیا ہے خدا نے ابتدا سے اِسکے نام مین ہی حرمت کیطرف اشارہ کیا ہے کیونکہ خنزیر کا کا لفظ خنز اور ار سے مرکب ہے جسکے یہ معنے ہین کہ مین اسکو فاسد اور خراب دیکھتا ہون خنز کے معنے بہت فاسد ار کے معنی دیکھتا ہون - پس اس جانور کا نام جو ابتدا سے خدا تعالیٰ کیطرف سے اس کو ملا ہے وہی اسکی پلیدی پر دلالت کرتا ہے اور عجیب اتفاق یہ ہے کہ ہندی مین اس جانور کو سُور کہتے ہین یہ لفظ بھی سُو اور ار سے مرکب ہے جسکے معنے یہ ہین کہ مین اس کو بہت بُرا دیکھتا ہون اور اس سے تعجب نہین کرنا چاہیئے کہ سُو کا لفظ عربی کیونکر ہو سکتا ہے کیونکہ ہمنے اپنی کتاب منن الرحمن مین ثابت کیا ہے کہ تمام زبانون کی مان عربی زبان ہے اور عربی کے لفظ ہر ایک زبان مین نہ ایک دو بلکہ ہزارون ملے ہوئے ہین - سو سوء عربی لفظ ہے اس لئے ہندی مین سوء کا ترجمہ بَد ہے پس اِس جانور کو بد بھی کہتے ہین - اسمین کچھ بھی شک معلوم نہین ہوتا ہے کہ اس زمانہ مین جبکہ تمام دنیا کی زبان عربی تھی اِس ملک مین یہ نام اس جانور کا عربی مین مشہور تھا جو خنزیر کے نام کے ہم معنے ہے پھر اب تک یادگار باقی رہ گیا - ہان یہ ممکن ہے کہ شاستری مین اسکے قریب قریب بھی لفظ متغیر ہو کر اور کچھ بن گیا ہو مگر صحیح لفظ یہی ہے کیونکہ اپنی وجہ تسمیہ ساتھ رکھتا ہے جس پر لفظ خنزیر گواہ ناطق ہے اور یہ معنی جو اس لفظ کے ہین یعنے بہت فاسد اسکی تشریح کی حاجت نہین - اس بات کا کس کو علم نہین کہ یہ جانور اول درجہ کا نجاست خور اور نیز بے غیرت اور دیوث ہے - اب اسکے حرام ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ قانون قدرت یہی چاہتا ہے کہ ایسے پلید بد جانور کے گوشت کا اثر بھی بدن اور روح پر پلیدی ہو کیونکہ

ہم ثابت کر چکے ہین کہ غذا اُن کا بھی انسان کے روح پر ضرور اثر ہے۔ پس اسمین کیا شک ہے
کہ ایسے بد کا اثر بھی بدھی پڑے گا جیسا کہ یونانی طبیبون نے اسلام سے پہلے ہی یہ رائے ظاہر
کی ہے کہ اس جانور کا گوشت بالخاصیت حیا کی قوت کو کم کرتا ہے اور دیوثی کو بڑہاتا ہے
اور مردار کا کہانا بھی اسی لئے اس شریعت مین منع ہے کہ مردار بھی کھانے والے کو اپنے رنگ
مین لاتا ہے اور نیز ظاہری صحت کیلئے بھی مضر ہے اور جن جانورون کا خون اندر ہی رہتا ہے
جیسے گلا گھونٹا ہوا یا لاٹھی سے مارا۔ یہ تمام جانور درحقیقت مُردار کے حکم مین ہی ہین۔ کیا
مُردہ کا خون اندر رہنے سے اپنی حالت پر رہ سکتا ہے؟ نہین بلکہ وہ بوجہ مرطوب ہونیکے
بہت جلد گندہ ہو گا اور اپنی عفونت سے تمام گوشت کو خراب کریگا اور نیز خون کے کیڑے
جو حال کی تحقیقات سے بھی ثابت ہوئے ہین مر کر ایک زہرناک عفونت بدن میں پھیلادین گے۔

تثلیث اور توحید

یسوع کی خدائی پر اس پہلو سے بحث کہ اسکی دعوت عام تھی یا خاص۔

پھر ہم حضرت مسیح کی خدائی کی کوئی جُز تلاش کرنیکے لئے یہ دیکھنا چاہتے ہین کہ کیا خدا کی
عام خدائی کی طرح اُن کی دعوت عام تھی یا ایک خاص گروہ تک محدود تھی ظاہر ہے کہ خدا
صرف یہودیون کا خدا نہین بلکہ تمام قومون یہودی۔ مجوسی۔ عیسائی۔ ہندو۔ ستارہ پرست
وغیرہ کا خدا ہے۔ اور جو شخص خدا کا پورا ظل ہو کر دنیا میں ہدایت کیلئے آتا ہے ضرور ہے کہ اُسکی
دعوت بھی عام ہو اور چاہئے کہ اسکی فطرتی ہمدردی کا دائرہ اس قدر وسیع ہو جس قدر زمین پر
مختلف قومین وسعت کے ساتھ موجود ہین۔ غرض مظہر کامل کیلئے یہ ضروری ہے کہ جیسے خدائی
عام ہے ویسا ہی اسکی دعوت بھی عام ہو۔ اب دیکھو یہ تعجب کی جگہ ہے یا نہین کہ دعوی تو خدائی

حضرت مسیح اور سید المعصومین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت کا مقابلہ

کا ہے مگر ہمت اس قدر منقبض اور مضمحل ہے کہ صرف ڈیڑھ قوم یہود تک جو بارہ قوموں میں سے باقی رہ گئی تھی اور وہ بھی ذلیل اور پست حالت میں تھی صرف انہی تک حضرت مسیح اپنی خدائی کا دائرہ محدود رکھنا چاہتے ہیں گویا رب العالمین کے مقابل پر ایک چھوٹی سی خدائی کی تجویز کی گئی ہے۔ کیا خدا کی خدائی یہودیوں کے چند اجڑے ہوئے گھروں تک محدود تھی۔ میں کیونکر مان سکتا ہوں کہ جو شخص اپنے تئیں اس خدا کا اوتار قرار دیتا ہے کہ جو دنیا کی تمام قوموں کا خدا ہے اس کی ہمت اور نظر صرف اپنے چند آبائی شہروں تک ہی محدود رہے۔

دیکھو جو خدا کا پورا خلیفہ اور مظہر اتم تھا اس نے مسیح کی طرح نہیں کیا جو صرف ملک والوں تک اپنی دعوت کو محدود رکھا ہو بلکہ ظاہر کر دیا کہ وہ بھی خدا کی طرح اپنی دعوت عام رکھتا ہے ہم اس مقام میں کسی پر زبردستی نہیں کرینگے بلکہ صرف ہم حضرت مسیح اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت اور ہمدردی کا بالمقابل اندازہ دکھلانے کے لئے انجیل اور قرآن شریف میں سے دو آیتیں لکھ دیتے ہیں تا ناظرین کو معلوم ہو کہ ان دونوں بزرگ نبیوں میں سے کون نبی صفت علو ہمت اور عام ہمدردی کی بناء پر دعوت کیلئے اٹھا ہے اور کون نبی صرف اپنے خاندان کے چند گھروں تک اپنی ہمت اور ہمدردی محدود رکھتا ہے اور ظاہر ہے کہ انسان کی پاک فطرت اور پورا مظہر الٰہی ہونیکے لئے یہ بھی ایک پیمانہ ہے کہ بنی نوع کی ہمدردی کے بارے میں اسکی ہمت ایسی عالی اور اسکی خیر خواہی ایسی اتم اور اکمل ہو کہ کوئی فرد انسانی اور کوئی قوم اسکے نیک ارادوں سے باہر نہ رہ سکے ایسا شخص درحقیقت خدا کا کامل مظہر اور کامل خلیفہ ہوتا ہے جس کی بنی نوع کے لئے ہمدردی تمام انسانی روحوں پر محیط ہوتی ہے اور ایسی کامل ہوتی ہے جو خدا کی ربوبیت اور رحیمیت کے دوش بدوش چلتی ہے سو اس عظیم الشان صفت کی جب ہم حضرت مسیح میں تلاش کرتے ہیں تو چاروں انجیلوں کی تمام ورق گردانی کر کے صرف ہمیں یہ آیت ملتی ہے کہ میں بجز بنی اسرائیل کی بھیڑوں کے اور کسی کی طرف نہیں بھیجا گیا۔ (متی ۱۵/۲۴) لیکن قرآن اس بات سے بھرا پڑا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام نوع انسان کی اصلاح کیلئے اپنے تئیں پیش کیا ہے جیسا کہ خدا نے فرمایا قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ

اِلَیۡکُمۡ جَمِیۡعًا وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ - یعنے کہدے کہ مین تمام انسانون
کی اصلاح کیلئے بہیجا گیا ہون - اور ہمنے تمام عالمون کے لئے تجہے ایک رحمت مجسم بناکر بہیجا ہی
اب دیکہو کہ دعوت کے امر مین محمدی ہمت نے زمین کا کوئی ایسا کنارا چہوڑنا نہین چاہا جسمین کوئی
فرقہ انسانون کا موجود ہو بلکہ تمام انس و جن کو ہدایت کے لئے بُلایا ہے اور کسی سے بخل نہین کیا - پہر آنجناب
کے مقابل پر اُس نبی کو دیکہو جسکی طرف خدائی کا دعویٰ منسوب کیا گیا ہے کہ اسرائیل کی بہیڑون سے
باہر قدم رکہنا نہین چاہتا اور پہر حیرت پر حیرت یہ کہ اس فرض کو بہی تو پورا نہین کیا -

ظاہر ہے کہ حضرت مسیح کے ظہور سے بہت عرصہ پہلے بنی اسرائیل کے فرقے زمین پر متفرق
ہو چکے تہے اور جنکی طرف حضرت مسیح بہیجے گئے تہے وہ سب اور شلیم مین موجود نہین تہے بلکہ
ان کے بارہ فرقون مین سے دس فرقے دنیا کے مختلف مقامات اور بلاد مین بخت نصر کے حادثہ
کے وقت پراگندہ ہو چکے تہے خود محقق عیسائی اس بات کے قایل ہین کہ بعض فرقے ان مین
سے ایران کی طرف سے ہوکر افغانستان مین اقامت گزین ہو گئے تہے اور درحقیقت وہی
لوگ ہین جو اب افغان کہلاتے ہین اور اُن ملکون مین آباد ہین اور بعض فرقے ان مین سے ہندوستان
مین سے ہوکر کشمیر کیطرف چلے گئے اور یہ ثابت شدہ امر ہے کہ کشمیری لوگ درحقیقت وہی
اسرائیلی ہین جو طرح طرح کے انقلاب کے بعد آخر مسلمان ہو گئے اور پہر توریت کے آخری وعدہ
کے موافق حق قبول کرنے کے بعد ان کو سلطنت بہی دی گئی جیسا کہ ظاہر ہے کہ افغانون مین بہی اب تک
سلطنت اور حکمرانی پائی جاتی ہے اور کشمیری بہی بادشاہ رہے ہین - اور بعض یہود یونان کی طرف
بہی چلے گئے تہے اور بعض تبت مین اور بعض چین تک بہی گئے - لیکن اُن کا گروہ کثیر
افغانستان اور کشمیر مین رہا -

پہر اگر مسیح اس دعوی مین سچا تہا کہ وہ بنی اسرائیل کی متفرق بہیڑون کو جمع کرنے آیا ہے
تو اس کا فرض تہا کہ صلیب کے واقعہ کے بعد ان تمام ملکون کی سیاحت کرتا جنمین یہود نے بود و باش اختیار
کر لی تہی اور مناسب تہا کہ جب کہ وہ اور شلیم کے یہودیون کی اصلاح سے نومید ہو چکا تہا تو بلا توقف
صلیب سے نجات پاکر یا بقول عیسائیان دوبارہ زندگی حاصل کرکے ہندوستان مین آتا اور ایران

اور افغانستان کی سیر کرتا اور کشمیر مین جاتا اور اس ملک کے یہودیون پر اتمام حجت کرتا
اور اس حیات ابدی کی طرف اُن کو بلاتا جس سے یروشلیم کے یہودی بے نصیب رہے
تھے اور اس طرح پر اپنا فرض پورا کر کے اُن کامل بندون مین داخل ہوتا جو اپنی ذمہ داری
کے کامون کے لئے جان دینے تک بھی تیار ہوتے ہین۔ یہ کس قسم کی دانشمندی تھی
کہ فرض منصبی تو ابھی پورا نہین کیا اور وہ بدقسمت قومین جن کی اصلاح کے لئے آیا تھا
ابھی اکثر اُن کے بلکہ قریباً تمام اُن کے بجز ایک قلیل فرقہ کے اُس کے آنے سے ہی بیخبر
ہین اور جھٹ آسمان پر جا بیٹھا کیا آسمان پر بھی کوئی یہودیون کا فرقہ رہتا تھا جنکی اصلاح
کے لئے آسمانی سفر بھی ضروری تھا اور جبکہ مسیح مین اس قدر قوت اور طاقت موجود تھی
کہ وہ آسمان پر چڑھ گیا تو اس صورت مین ظاہر ہے کہ کشمیر کا سفر اس کے لئے کچھ مشکل
نہ تھا بلکہ یہ ملک بلاد شام سے آب وہوا مین بہت ملتا تھا اور سچ تو یہ ہے کہ افغانستان
مین جانا بھی کچھ دشوار نہ تھا پھر کیونکر اسکو یہ خیال آیا کہ اپنے فرض سے سبکدوش ہونے سے
پہلے ہی لاکھون یہودیون کو بے خبر اور ناکام چھوڑ کر آسمان کی راہ لی۔ تعجب کہ کیونکر اُس کا
قدم آسمان کی طرف چلا اور کیونکر اس کی کانشنس نے قبول کر لیا کہ ایک گروہ کثیر یہودیون
کو جو صدہا سال سے اسکی انتظار کر رہے تھے اور دن رات اُس کے ظہور کے لئے دعائین
مانگتے تھے اور وطن سے بے وطن تھے یکبارگی اوس نے فراموش کر دیا اور ایک ذرہ
ہمدردی کی رگ جنبش مین نہ آئی۔

اِس مین کچھ شک نہین کہ اگر وہ اپنا فرض منصبی ادا کر دیتا تو قابل تعریف ٹھیر جاتا۔
آسمان پر بھی سیّاح کہلاتا اور زمین پر تکالیف سفر کی وجہ سے قوم کی نظر مین سچّا
فدیہ ٹھیرتا ظاہر ہے کہ آسمان پر اس کا بیٹھنا نہ اسکے لئے مفید تھا اور نہ اس کی قوم کے
لئے۔ سچّا فدیہ یہی تھا کہ وہ یہودیون کا پتہ لگا کر اُن دور دراز ملکون تک سفر کرتا کہ جن
ملکون مین یہودیون نے بود و باش اختیار کر لی تھی اور اس عظیم الشان فدیہ کی یادگار کے
لئے نہایت مناسب اور موزون تھا کہ وہ اسی تلاش مین غیر ملک مین مرتا اور غیر ملک مین

اس کی قبر ہوتی تب ہر ایک عقل مند قائل ہوتا کہ درحقیقت اس نے قوم کی بھلائی کے لئے اپنی جان کو مشقت اور تکلیف مین ڈالکر اور آخر اسی راہ مین جان دے کر اُن کے لئے اپنے تئین کفارہ کیا۔ مگر یہ بیہودہ کفارہ سمجھہ میں نہین آتا کہ قوم سکتے تولا کہون آدمی بہی اسکے وجود سے ہی بے خبر بیٹھے ہین مگر اس نے ایک لعنتی موت کو اپنے لئے پسند کیا ایسے کفارہ میں کوئی سچی فلاسفی مخفی نہین اگر زید کے سر مین سخت درد ہوتا ہو۔ اور بکر اس کی اس حالت سے گہبرا کر ایک پتھر سے اپنا سر پہوڑ لے تو کوئی عقلمند اقرار نہین کریگا کہ بکر نے زید کی خیر خواہی کے لئے یہ فعل کیا اسیطرح مسیح کی حقیقی خیر خواہی یہودیوں کے حق مین اسی میں تہی کہ وہ تکالیف سفر اپنے پر گوارا کر لیتے اور سردی اور گرمی اور بہوک اور پیاس کی کچھ پروا نہ کرکے مختلف ملکوں کی راہ لیتے۔ اگر ایسا کرتے تو خدا کی راہ مین سچے شہید کہلاتے اور چونکہ مسیح کے لفظ کے ایک یہ بھی معنے ہین کہ بہت سیاحت کرنے والا لہذا وہ اس سیاحت سے ان معنون کے بہی مصداق ہوجاتے تب ہر ایک شخص آہ کہینچ کر کہتا کہ کاش مین بہی قوم کے لئے ایسی ہی تکالیف اٹھاکر قوم کے لئے فدیہ ہوتا جیسا کہ مسیح نے اُٹھائین اور فدیہ ہوا اور آئندہ نسلون کے لئے یہ اس کا کارنامہ آب زر سے لکہنے کے لائق ہوتا کہ وہ قوم کی اصلاح اور دستگیری اور غمخواری کیلئے دور دراز ملکون مین گیا اور غربت اور مسافرت کی حالت مین جان دی اور وہین دفن ہوا اور اس صورت مین وہ ہجرت کی سنت قدیمہ کو بہی جو سنت انبیا ہے پورا کر لیتا بلکہ اپنے اس قول کے رو سے جو نبی بے عزت نہین مگر اپنے وطن مین آسمان اور زمین دونون جگہوں میں عزّت پاتا۔ ہائے اس نے یہ کیا کیا کہ اپنے فرض منصبی کو ناتمام چہوڑکر آسمان پر جا بیٹھا گویا بار نبوت سے گہبرا کر گوشہ گزینی اور آرام پسندی اختیار کی جو طریق مردمی اور فتوت سے بہت بعید ہے۔

غرض حضرت مسیح کا اپنے فرض مذہبی سے قاصر رہنا اور اُن کے مقابل پر ہماری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام انسانون کو پورے جوش سے ہدایت کے لئے دعوت عام کرنا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح مین ایک ایسا فرق ہے جس سے ببداہت معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت

صفت دعوت عام کا خصوصیت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مبارک مین پایا جانا —

صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات مین صفت رحمت عامہ موجود تہی اور وہ تمام لیاقتین آپ کے نفس نفیس مین جمع تہین جو دنیا کی تمام مختلف قومون کو دعوت حق کرنے کے لئے ایک کامل مصلح مین ہونی چاہئین مگر حضرت مسیح کی فطرت مین نہ رحمت عامہ اور نہ باقی یہ تمام صفات موجود تہین - یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح کی ہمت اپنی قوم کے پیش نظر کفار سے یعنی یہود سے آگے نہ بڑہ سکی کیونکہ انکی فطرت مین آگے بڑہنے کے قوے موجود نہ تہے ناچار انہون نے ایک تہوڑے سے اور مختصر کام پر ہی اپنی نبوت کو ختم کر دیا اور صاف اقرار کر دیا کہ مین صرف یعقوب کی اولاد اور اپنے جدی لوگون کے لئے پیغام دعوت لیکر آیا ہون اور دنیا کی قومون سے مجہے کچہ کام نہین لیکن محمدی ہمت اور فطرت چونکہ تمام انسانی روحون سے ہمدردی کا تعلق رکہتی تہی اور آنجناب کی وہ روح تہی جس سے تمام روحین فیضیاب ہونے کے لئے پیدا کی گئی تہین لہذا اس عالی ہمت نے اسپر اکتفا نہ کیا کہ وہ صرف قریش تک ہی اپنی رسالت کو محدود رکہتے یا محض عرب تک ہی اپنی دعوت کا انحصار کر لیتے بلکہ تمام نوع انسان کو دین اسلام کیطرف بلایا اور یہ ثابت کر دیا کہ اس پاک اور کامل فطرت کو یہہ جوش دیا گیا ہے کہ ہر ایک جو زمین پر رہنے والا ہے خواہ نوع انسان مین سے ہے یا نوع جن مین سے وہ اسکے فیض عام سے فائدہ اٹہاوے -

دعوت عامہ کا منصب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مخصوص ہونا -

سچ تو یہ ہے کہ زمین کے تمام کنارون تک عام ہمدردی کا خیال دل میں بہر جانا اور عام قومین جو دوسری قومون سے بکلی منقطع ہو کر اور علیحدہ علیحدہ مذہبون اور ناموں سے مخصوص ہو کر اپنی اپنی جگہ پر مستقل ہو چکی تہین سب کی اصلاح کا فکر کرنا اور سب کو نیکی اور ہدایت کی طرف بلانا اس قسم کی دعوت عامہ کا منصب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی نبی کو نہین دیا گیا ان مین سے بعض کا تو وہ زمانہ تہا کہ ہنوز مختلف قومین دنیا مین آباد نہین تہین اور بوجہ نہ پڑنے کسی تفرقہ قاطع کے تمام انسان ایک ہی قوم کے حکم مین تہے اور بعض کا وہ زمانہ تہا کہ مختلف قومین آباد تو تہین مگر ایک کو دوسرے کی خبر نہ تہی یا خبر ہی تہی مگر ملاقات باہمی سخت دشوار تہی سہل اور آسان نہ تہی ان دونون مذکورہ بالا صورتون مین غیر

ممکن تھا کہ کسی نبی کی انبیاء گذشتہ مین سے کُل قومون کیلئے دعوت عامہ ہوتی یا وہ دعوت کُل قومون کیلئے دعوت کہلا سکتی پس جیسا کہ دوسرے نبیون کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے گذر چکے ہین تمام قومون کے لئے دعوت عامہ کا منصب نہین دیا گیا ایسا ہی حضرت مسیح کو بھی نہین دیا گیا بلکہ یہ منصب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی خاص کیا گیا کیونکہ آپ ہی کی فطرت اس بوجھ کی متحمل ہوئی۔ اب جہان تک انسانون کے لئے خدا تعالیٰ کی خدائی کا زمین پر دامن پھیلا ہوا ہے وہان تک اُن تمام انسانون کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت بھی عام ہے اور یہ ایک عظیم الشان خصوصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مین ہے جسمین کوئی دوسرا نبی شریک نہین۔

ظاہر ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کا مظہر تام ہوتے یا یون کہو کہ خدا ہوتے تو یہ خصوصیت ان میں ہونی چاہئے تھی اور ہرگز ممکن نہ تھا کہ وہ اس ذات کامل کا روپ بن کر جس نے سب انسانون کیلئے اپنے سورج اور چاند اور دوسری مخلوقات کو پیدا کیا ہے ایسی کم ہمتی دکھلاتے کہ صرف یہودیون کے معدودے چند گھرون تک اپنی نبوت کو منحصر کر لیتے بلکہ چاہئے تھا کہ وہ یہ کہتے کہ جیسا کہ خدا تمام نوع انسان کا خدا ہے ایسا ہی مین بھی تمام نوع انسان کیلئے بھیجا گیا ہون اور یہ عذر کہ اگرچہ پہلے انہون نے یہی کہا تھا کہ میری رسالت بنی اسرائیل تک ہی محدود ہے اور مین خاص انہی کے لئے بھیجا گیا ہون مگر آخر کو انہون نے اس قول کی پابندی چھوڑ دی اور اپنے اس اقرار پر قایم نہ رہ سکے اور پھر دعوت عام کا دعوےٰ کر دیا۔ یہ جواب ایسا ہے کہ بجز اسکے کہ ایک طور سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہجو کی جائے اور یہہ مان لیا جائے کہ انکی طبیعت کچھ ایسی واقعہ ہوئی تھی کہ انکو اپنے قول اور اقرار کا کچھ بھی پاس نہ تھا اور کچھ بھی اس جواب کا نتیجہ معلوم نہین ہوتا کیونکہ جب کہ خود بقول حضرت مسیح کے یہ بات فیصلہ پا چکی تھی کہ وہ صرف یہودیون کے لئے بھیجے گئے ہین نہ کسی اور کے لئے تو پھر اس فیصلہ اور اس اقرار کے بعد اُن کے لئے یہ گنجائش باقی نہین تھی کہ وہ پہلے بیان سے انکاری ہو کر یہ کہہ دیتے کہ مین نہ صرف بنی اسرائیل کیلئے بلکہ تمام دُنیا کے

حضرت مسیح کی دعوت کا یہودیوں تک محدود ہونا

لئے بہیجا گیا ہون اس کی تو بعینہ یہ مثال ہے کہ مثلاً فرض کرو کہ ایک گواہ خالد نام نے
حلف اُٹھاکر ایک جج کے سامنے اول یہ بیان کیا کہ زید نے جو ایک بڑا مالدار تہا ایک
کروڑ روپیہ بجہے مجھے اس غرض سے حوالہ کیا تہا کہ مین اس روپیہ کی کوئی جائداد خرید کر بکر کو
اسکی طرف سے دیدون اور وہ جائداد کا مالک واحد ہوگا اور اُس جائداد مین کسی اور
شخص کو ایک پیسہ کا بہی حصہ دار قرار نہ دیا جائیگا۔ اور پہر اپنے تتمہ بیان مین لکہوایا کہ زید
نے یون کہا تہا کہ وہ جائداد صرف بکر کے حوالہ نہین کی جائے گی بلکہ اسکے پچاس اور شخص
بہی مالک ہونگے اور بکر کے شریک مساوی نہ کہ بکر اکیلا اور اُن کے یہ یہ نام ہین تواب
بتلاؤ کہ کیا وہ جج اس مختلف بیان کو صحیح سمجہہ لیگا اور پیش کردہ اشخاص کو بکر کے شریک قرار
دیدے گا نہین بلکہ مین سچ سچ کہتا ہون کہ وہ اسی وقت اس کو حلف دروغی کے مقدمہ مین
پھنسائے گا اور اس سے پوچہے گا کہ تیرے اِن دونون بیانون مین سے کونسا سچا اور کونسا
جہوٹا ہے اور آخر قانون کی حد تک حلف دروغی مین اسکو سزا دیگا۔

پادریوں کا حضرت مسیح کی طرف متناقض اقوال منسوب کرنا

یہ حضرت عیسیٰ کی سخت بے ادبی ہے کہ نعوذ باللہ ایسے متناقض اقوال اُن کی طرف
منسوب کئے جاتے ہین جو کسی عدالت مین پیش ہونے سے جرائم قابل سزا مین پہنساتے ہین
لیکن افسوس کہ حضرات پادری صاحبان کو اس حرص شدید کی وجہ سے کہ کسی طرح حضرت مسیح
کو خدا مان لیا جائے یہ محسوس ہی نہین ہوتا کہ ان کی کلام مین امور متناقضہ اور متضادہ جمع ہوگئے
ہین ایک بات کرتے ہین اور پہر اسی وقت دوسری بات اسکی ضد اور اسکی نقیض بیان کر دیتے
ہین مثلاً ایک طرف تو یہ کہتے ہین کہ مسیح خدا کامل ہے اور پہر دوسری طرف یہ بہی کہدیتے
ہیں کہ وہ انسان کامل ہے اور نہین سوچتے کہ جب تمام انسانی لوازم انسانیت کا کمال ثابت
کرنیکے لئے اُنکی ذات مین جمع ہونگے تو وہ اُلوہیت کے کمالات کے مخالف پڑینگے کیونکہ
ایک طرف تو انسانی جہالتین اور انسانی سہو و نسیان اور انسانی شہوات کا طوفان
حضرت مسیح کے نفس مین مان لیا جائے گا اور پہر اسی نفس کی نسبت یہ بہی عقیدہ رکہنا پڑیگا
کہ وہ تمام جہالتون سے ازلی پاک اور تمام سہو و نسیان سے ازلی بر تر و اعلیٰ ہے پادری

صاحبون کے لئے ہرگز مناسب نہین ہے کہ اپنے غلط عقیدہ کو خواہ نخواہ صحیح ٹھہرانیکے لئے
حضرت مسیح کے کلام کو تناقضات کا مجموعہ بناوین اور اس طرح پر یہودیون کو نکتہ چینی کے لئے
مدد دین - یہ حضرت مسیح کی زندگی پر ظالمانہ حملہ ہے کہ انکی طرف اس دروغ بے فروغ کو منسوب
کرین کہ اول مسیح ہونیکا دعوے کرتے ہی ایک مدت تک بلکہ صلیبی واقعہ تک بار بار کوچہ
وبازار مین یہ سناتے رہے کہ مین بجز اسرائیل کی بھیڑون کے اور کسی کی طرف نہین بھیجا گیا
اور پھر جب دیکھا کہ یہ بات تو بنتی نہین اور یہودی مجھے قبول نہین کرتے اور انکی نسبت تو
اب بکلی امید منقطع ہو چکی ہے تو اپنی ان تمام باتون کو فراموش کرکے کہ جو کہا کرتا تھا کہ مجھے دوسری
قومون سے کچھ غرض و واسطہ نہین پھر یہ شور مچانا شروع کردیا کہ نہین بلکہ مین تو تمام قومون
کے لئے بھیجا گیا ہون - اب دیکھو کہ اس تناقض کو جسکی نسبت سمجھ سکتے ہین کہ اس کا ارتکاب
کرانے والی ایک غرض نفسانی تھی حضرت مسیح کی طرف منسوب کرنا کس قدر اس غریب اور
راستباز نبی پر ظلم شدید ہے -

دونون پہلوؤن مین تطبیق

اگر بطور فرض مان لین کہ معاذاللہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے مونہہ سے کوئی
ایسا کلمہ نکلا تھا جس مین بظاہر اس قابل شرم تناقض کا وہم گذرتا تھا تو مناسب تھا کہ پاک دل
محققین کیطرح ان دونون قسم کے کلمات مین جو اپنی ظاہری صورت مین ایک ناداں
کے نزدیک تناقض کا خیال پیدا کرتے تھے اور حضرت مسیح پر اعتراض کا موقع دیتے تھے
ایسے معنون سے تطبیق کردیتے کہ تناقض باقی نہ رہتا اور یہودیون کو ہنسنے کا موقع نہ ملتا
چنانچہ بات بھی یہی تھی کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے اول تو صاف صاف کہہ دیا کہ مین بجز
اسرائیل کی بھیڑون کے اور کسی کیطرف نہین بھیجا گیا اور پھر جب کہ وہ یہودی جو یروشلیم مین
اور اس کے گرد تھے شرارت اور بے ایمانی سے باز نہ آئے اور حضرت مسیح کو قبول نکیا تو پھر حضرت
مسیح نے اپنا فرض منصبی پورا کرنیکے لئے اپنے پر یہ حق واجب اور فرض لازم دیکھا کہ ان یہودیون
کیطرف توجہ کرین جو مختلف ملکون کی طرف جلاوطن ہوکر چلے گئے تھے جیسا کہ بعض یونانیون
مین جا کر آباد ہوگئے تھے اور بعض ہندوستان اور کشمیر کی طرف چلے گئے تھے اور بعض

افغانستان مین سکونت پذیر ہو گئے تہے۔ اب دیکہو یہ معنے کیسے صاف اور سیدہے اور قریب قیاس ہین جن کے ماننے سے نہ تو کوئی تناقض لازم آتا ہے اور نہ مسیح علیہ راستباز نبی کے کلام مین کسی بناوٹ اور جدید منصوبہ کی بدبو آتی ہے اور دل خوب مان لیتا ہے کہ جب کہ حضرت مسیح کو معلوم تہا کہ وہ تمام یہودیوں کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوئے ہین نہ صرف چند گہرون کے لئے تو یہ ان کا کام تہا اور ان کو کرنا چاہئے تہا کہ جب کہ یروشلم کے یہودی سرکشی اور شرارت سے پیش آئے تہے اور ان سے امید ہدایت قطع ہو چکی تہی تو وہ تکالیف سیاحت اور سفر اپنے ذمہ لے کر ان یہودیون کی طرف متوجہ ہوتے جو دور دراز ملکون مین چلے گئے تہے اور اگر یہہ فرض کر لیا جائے کہ حضرت مسیح یروشلم کے یہودیون سے نومید ہو کر گم گشتہ یہودیون کے فرقون کی طرف متوجہ نہین ہوئے بلکہ اپنے پہلے قول اور اقرار کے مخالف اپنے حواریون کو یہ حکم کیا کہ اب تم غیر قومون کی طرف جاؤ اور ان کو اپنے دین کی دعوت کرو تو یہ ایک دوسرا اعتراض حضرت مسیح پر وارد ہوگا کہ جس حالت مین ابہی دس فرقے یہود کے ان کے وجود سے ہی بے خبر تہے جن تک اپنی دعوت کو پہنچانا مسیح کا اصل فرض تہا تو کیون اس فرض کو نظر انداز کر کے دوسری قومون کی طرف توجہ کی۔

غرض یہ بات کسی طرح ٹہیک نہین ہے کہ حضرت مسیح کی دعوت عام تہی اور جبکہ دعوت عام نہ تہی تو اس سے خدائی کا دعوے بہدایت باطل ثابت ہوتا ہے اور ایسا ہی کفارہ کا مسئلہ کیونکہ خدا تمام قومون کا خدا ہے نہ صرف یہودیون کا اور وہ سب کے لئے نجات کے طریق ظاہر کرتا ہے نہ محض اسرائیل کی اولاد کے لئے پس اگر یہ بات سچ ہے کہ انسانون کی نجات بغیر کسی کے سولی ملنے کے غیر ممکن ہے تو اس صورت مین دوسری تمام مخلوقات کی نجات کے لئے کسی دوسرے مسیح کے خون کی اشد ضرورت ہے بلکہ دو مسیحون کی ضرورت (۱) ایک تو ایسا مسیح چاہئے کہ جس فرض کو حضرت عیسےٰ علیہ السلام ادہورا چہوڑ کر آسمان پر جا بیٹہے تہے یعنی یہود کے دوسرے فرقون کو حکم الٰہی پہنچانا جو ان کا فرض تہا اس فرض کو

وہ پورا کرے اور سیاحت اختیار کرکے جس قدر یہود غیر ملکون مین آباد ہین اُن کو خدا کا حکم پہنچاوے اور پھر ان کے لئے سولی ملجائے (۲) دوسرا وہ مسیح چاہئے جو دوسرے تمام انسانون کے لئے جو یہودی نہین ہین صلیب پر اپنی جان دیوے۔

یسوع کی خدائی پر بحث اس کی پیش کردہ معصومیت کے لحاظ سے

اب جبکہ دلائل مذکورہ بالا سے ثابت ہو گیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے ہرگز یہ دعویٰ نہین کیا کہ میری دعوت تمام نوع انسان کے لئے عام ہے بلکہ یہ دعوے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تو دعوت کے رو سے تو حضرت مسیح مین کوئی ایسی خصوصیت پائی نہ گئی جس سے انکی خدائی کا کچھ خیال پیدا ہو سکے اب ہمین یہ دیکھنا باقی رہا کہ کیا معصوم ہونے مین حضرت مسیح کی کوئی خصوصیت ہے تا یہ حجت پیش ہو سکے کہ وہی خصوصیت ان کی خدائی پر ایک دلیل ہے۔

یسوع کا اپنا اقرار کہ میں نیک نہیں۔

پس واضح ہو کہ اس مقام مین حضرت مسیح کا اپنا ہی قول ایک فیصلہ کرنے والا قول ہے کیونکہ انجیل میں لکھا ہے کہ ایک نے آکے مسیح سے کہا اے نیک اُستاد مین کونسا نیک کام کرون کہ ہمیشہ کی زندگی پاؤن۔ اُس نے اُسے کہا تو کیون مجھے نیک کہتا ہے نیک تو کوئی نہین مگر ایک یعنے خدا۔ دیکھو انجیل متی باب ١٩۔ ١٧۔ آیت مذکورہ بالا سے صاف ظاہر ہے کہ مسیح نے نیک ہونے سے انکار کیا ہے اور اسکے معنے بجز اس کے اور کچھ نہین کہ مسیح اپنے تئین گنہ گار سمجھتا تھا اور پادری صاحبون کی طرف سے اس جگہ یہ جواب ہے کہ چونکہ مسیح جانتا تھا کہ مین خدا ہون اس لئے اس طرز کی تقریر سے اس کا یہ منشا تھا کہ جو شخص مجھے انسان سمجھتا ہے وہ کیون مجھے نیک کہتا ہے کیا انسان نیک ہو سکتا ہے مگر ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ یہ جواب ٹھیک نہین ہے کیونکہ اگر مسیح نے اپنی خدائی کا دعویٰ یہودیون کے آگے پیش کیا تھا تو ایسا دعوے کرنیوالا انوان کے نزدیک کافر اور نہائت بدآدمی اور توریت کے رو سے

واجب الفضل تہا تو پہر کیونکر ایک یہودی ایسے دعوے کو سنکر اسکو نیک کہہ سکتا تہا اور اگر اس یہودی نے خدائی کے دعوے کو مان لیا تہا تو پہر ایسی بات کہنے کا کوئی موقع نہین تہا کہ تو میری خدائی سے منکر ہوکر پہر مجہے کیون نیک کہتا ہے یہ بات درحقیقت غیر معقول اور غیر ممکن ہے کہ ایک یہودی شخص نے اپنے کانون سے سُنا ہو کہ حضرت مسیح خدائی کا دعوے کرتے ہین اور پہر وہ ان کو نیک کہہ سکے یہودیون کا ہرگز یہہ مذہب نہین ہے کہ خدا کا دعوے کرنیوالا نیک ہو سکتا ہے پس جب یہودی نے حضرت مسیح علیہ السلام کو نیک کہا تہا اسکی نسبت پادری صاحبون کو بہر حال یہ فرض کرنا پڑے گا کہ وہ حضرت مسیح کی خدائی پر ایمان رکھتا تھا ورنہ وہ کیونکر ان کو نیک کہہ سکتا تہا تو اس صورت مین وہ توجیہ باطل ہو جائیگی جو پادری صاحبان اس آیت مین کرتے ہین۔ پس کچہہ شک نہین کہ ایسے معنی مذکورہ بالا آیت کے محض بناوٹ سے کئے گئے ہین مسیح کے الفاظ سے وہ معنے ہرگز ہرگز نہین نکلتے اور ایسی بیہودہ کہینچ تان سے مسیح کے معصوم بنانے کے لئے کوشش کرنا ہرگز کوئی منصف اور عقلمند پسند نہین کریگا۔

راستبازونکا محاورہ

صاف ظاہر ہے کہ مسیح نے مذکورہ بالا آیت مین اپنے نیک ہونے سے سادہ اور سہل الفاظ مین انکار کیا ہے اور یہی الفاظ راستبازون کے محاورہ مین ہمیشہ سے داخل ہین کہ وہ اپنے تئین کمزور سمجہہ کر حقیقی نیکی خدا کی طرف منسوب کرتے ہین اور انکا یہی عقیدہ ہوتا ہے کہ حقیقی طور پر صرف خدا ہی نیک ہے اور تمام بندے اسی سے قوت پاکر نیک بنتے ہین نہ کہ خود بخود۔ اب کس قدر ظلم اور حق پوشی ہے کہ ایک سیدہے اور صاف اقرار کو جو راستبازون کی خو اور خلق کے سراسر مناسب حال ہے خدائی کے دعوی کی طرف کہینچا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہی الفاظ قدیم سے راستبازون کے استعمال مین آتے رہے ہین اور ہر ایک قوم کے راستبازون کے موہنہ سے یہی کلمے نکلے ہین کہ وہ حقیقی نیکی کا سرچشمہ اپنے مولی کریم کو ہی ٹہراتے رہے ہین اور جب انکو نیک کہا جاتا تہا تو وہ انکسار کے طور پر اور اپنی کمزوری کو خیال کرکے یہی جواب دیتے رہے کہ حقیقی نیکی خدا کے

لئے مسلم ہے۔

مسیح کا فقرہ

اب ایسے کلمات کو جو اپنی کمزوری اور خدا کی عظمت کے لئے وضع کئے گئے تھے متکبرانہ رنگ میں لے آنا اور ان سے خدائی کا دعوےٰ نکالنا عجیب طرح کا تحکم ہے۔ کیا ایک پاک کانشنس قبول کرسکتا ہے کہ نیک اُستاد کہنے سے مسیح کو یہ جوش آیا کہ لوگ مجھے خدا کر کے کیوں نہیں پکارتے حالانکہ آیت کے سیاق سباق سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح نے اس مقام میں اپنی فطرتی سعادت کی وجہ سے انکسار دکھلایا اور اس شخص کو اس بات پر متنبہ کیا کہ حقیقی نیکی کا سرچشمہ خدا ہے اور جو کچھہ تو مجھہ میں نیکی دیکھتا ہے وہ میری طرف سے نہیں بلکہ خدا کی طرف سے ہے۔ یہ ایک معرفت کا سبق تھا جو مسیح نے اسکو دیا نہ یہ کہ شیخی میں آکر نہایت تکبر سے اپنی خدائی کو پیش کیا۔ خدائی تو جو کچھہ تھی وہ روزانہ مصیبتوں اور ناکامیوں سے ظاہر تھی حاجت بیان نہ تھی پھر اسکے نہ ماننے سے ناراض ہونا اور چڑنا اور غصہ ہونا اخلاق سے بھی بہت بعید تھا اور سراسر بے وجہ تھا ہمیں پادری صاحبان معاف کریں اگر ان کو یہ بات تلخ معلوم ہو کہ جس شخص کو حفاظت خود اختیاری کی بھی طاقت نہیں تھی جو خدائی کے ادنےٰ لوازم میں سے ہے اور یہودیوں نے جو خود کمزور اور ذلیل قوم تھے اسکو پورے اقتدار سے تکلیفیں پہنچائیں اور جو کچھہ چاہا اس سے کیا تو کیا ایسے شخص کو عقل سلیم خدائے قادر مطلق کہہ سکتی ہے یا ایک عاجز انسان؟ کیا ہم خدا کی طرف یہ ذلتیں منسوب کرسکتے ہیں کہ وہ چند کمزور انسانوں کے ہاتھہ سے پکڑا گیا اور حوالات میں کیا گیا اور ایک ضلع سے دوسرے ضلع میں اسکا چالان ہوا اور سپاہیوں کے ہاتھہ سے اس نے طمانچے کھائے اور ساری رات کی دعا قبول نہ ہوئی اور کیا عقل قبول کرسکتی ہے کہ جو شخص خود خدا تھا اُس کو بھی دعا کی حاجت تھی؟

اب خلاصہ کلام یہہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جیسا کہ پادری صاحبان سمجھتے ہیں معصوم ہونا ہی ثابت نہیں ہوتا۔ اگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار سے گناہ گا

ہونے کے معنے نکالے جاتے ہین تو پہر حضرت مسیح کے اس اقرار سے کہ مجھے نیک مت کہو
بوجہ اولی گناہ گار ہونا ثابت ہوتا ہے بلکہ مسیح کی عملی حالتین انہین معنون پر روشنی ڈال کر حق
الیقین تک انکو پہنچاتی ہین۔ کیونکہ اول تو مسیح نے یوحنا کے ہاتہہ پر توبہ کا اصطباغ لیا جس
مین اعتراف گناہ کا ہے پس اصطباغ کیا لیا گویا گنہ گار ہونے پر مہر لگا دی۔ مگر ہمارے نبی
صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی کے ہاتہہ پر توبہ نہین کی۔ یہ بات ایک بڑی غور کے لائق ہے کہ اگر
مسیح معصوم تہا تو اسے توبہ کی کیا ضرورت تہی دوسرے کی خدمت مین ایک ذلت کے ساتہہ
حاضر ہونا اور گناہ کا اقرار کرنا بجز اس صورت کے کب ہو سکتا ہے کہ انسان اپنے دل مین
محسوس کرتا ہو کہ مین گنہ گار ہون اور دوسرے یہ کہ مسیح پر اور اس کی والدہ پر دشمنون نے جو
یہودی ہین وہ سخت تر الزام لگائے ہین جن کے لکہنے سے بہی ہاتہہ کانپتا ہے بلکہ بعض الزام
تو ایسے ہین کہ مسیح نے اپنے ذمہ خود انکو قبول کر لیا ہے اور بعض ایسے ہین کہ انجیلون مین حواریون
نے ان پر گواہی دے دی ہے اور عیسائی مورخون نے ان کو مان لیا ہے اور یہودیون کی کتابون
اور تاریخون کے دیکہنے سے جو اعتراضات سے پر ہین مسیح کی عصمت کی نسبت اس قدر
اور مشکلات پیش آگئی ہین کہ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ کاش پادری صاحبان خدا کے پاک
نبیون کی نکتہ چینی نہ کرتے اور توہین اور تحقیر اور عیب گیری نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے مسلمانون
کا دل نہ دکہاتے تا مسلمان بہی یہودیون کی کتابون کی مدد سے اور خود انجیلون مین سے بہی
حضرت مسیح کے عیبون کی تفتیش نہ کرتے یہ گناہ درحقیقت پادری صاحبون کی گردن پر ہے
کہ وہ تمام مقدس اور راستبازون کی عیب گیری پر کمر بستہ ہو گئے اور طرح طرح کی بیجا تاویلون
بلکہ افتراؤن سے چاہا کہ خواہ نخواہ خدا تعالے کے پاک نبیون کو گنہ گار ٹہراوین اسلئے خدا نے
حضرت مسیح کو بہی نکتہ چینیون سے محفوظ نہ رکہا یہہ مقولہ نہایت سچ ہے بلکہ پادری صاحبون
کے حق مین یہ پیشگوئی ہے کہ عیب مت لگاؤ تا تمپر بہی عیب نہ لگایا جائے اور یاد رہے
کہ یہ طریق نبیون کی عیب گیری اور نکتہ چینی کا درحقیقت انیسوین صدی عیسوی کے پادریون
کو اس کا موجد کہنا چاہئے مگر انہون نے اچہا نہین کیا کہ اس طریق پر حد سے زیادہ زور دیا اور

مسلمانون کے دلون کو حد سے زیادہ آزار پہنچایا۔ ہم سمجھہ نہین سکتے کہ وہ کونسی عصمت اور پاک دامنی حضرت مسیح مین ہے جو ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم مین موجود نہین۔ مسیح کی سرگذشت مین گنہ کا اقرار بہی موجود ہے۔ گناہ گارون کی طرح توبہ بہی موجود ہے۔ اور گنعاہ گارون والے افعال بہی موجود ہین۔ اور اگر دشمن کی نکتہ چینی اور عیب گیری سے کوئی نبی خدا کا مجرم بن سکتا ہے تو جیسا کہ یہودیون کی کتابون سے ظاہر ہوتا ہے ایسی ہی نکتہ چینیون کے انبار در انبار حضرت مسیح کی زندگی مین بہی موجود ہین۔

شراب اور مسیح کا اسکو استعمال کرنا

مثلاً ایک شراب ہی کو دیکہو جو ام الخبائث ہے جس سے طرح طرح کے نفسانی جوش پیدا ہوکر کبہی انسان مرتکب فسق وفجور کا ہوتا ہے اور کبہی خون ریزی کا ارتکاب کرتا ہے اور بلاشبہ یہ تمام گناہون کی مان ہے مگر نہ صرف یہودیون کے اعتراضات سے بلکہ انجیل سے بہی ثابت ہے کہ حضرت مسیح تمام عمر اسکے مرتکب رہے اسی وجہ سے عیسائیون کی عشاء ربانی کی بہی یہ ایک جزو ہے اور انجیل مین حضرت مسیح اقرار کرتے ہین کہ یوحنا شراب نہین پیتا تہا مگر اپنی نسبت مبالغہ سے کہاؤ پیؤ کا لفظ استعمال کیا ہے غرض اس مین کسی کو بہی کلام نہین کہ یسوع مسیح شراب پیا کرتا تہا چنانچہ پرچہ اخبار ایپی فنی ۲۷ - اپریل ۱۹۰۱ء مین بہی جو ایک مشہور پادریون کا پرچہ انگریزی زبان مین کلکتہ سے نکلتا ہے یہ عبارت ہے ” مسیح گوشت بہی کہاتا تہا اور شراب بہی پیتا تہا۔ اور کتاب دانی ایل باب اول مین شراب کو ناپاک قرار دیا ہے اور لکہا ہے کہ دانی ایل اسکو ناپاک سمجہتا تہا لیکن اصل بات یہ ہے کہ شراب ایسی خبیث چیز ہے کہ اس کا پلید ہونا اس بات کا محتاج نہین کہ توریت یا انجیل یا کسی دوسرے صحیفہ مین اس کو پلید اور ناپاک لکہا ہو بلکہ اگر فرض کے طور پر کسی کتاب مے شراب کی تعریف کی ہو تو شراب اس سے قابل تعریف نہین ٹہرے گی ہان اس کتاب پر اعتراض آئے گا کہ وہ خدا کی طرف سے نہین ہے جس چیز کے عیب اور مضرتین تجارب سے کہل گئے ہون اس مین ہم کسی کتاب کی شہادت کے محتاج نہین ہین ہزارون قسم کی زہرین اور خبیث چیزین دنیا مین موجود ہین جن کی مضرتین تجربہ نے ہم پر کہول دی ہین۔ پس ضرور نہین کہ ہم ان چیزون کو خبیث ٹہرانے کے لئے آسمانی

کتابون کی ورق گردانی کرین ان سب مین سے اول درجہ پر شراب ہے۔ دُنیا مین ہزارون شہادتین اس کی مضرت اور خباثت پر موجود ہین اُن سب کا لکھنا موجب تطویل ہے اِسلئے ہم مناسب سمجھتے ہین کہ عیسائیون مین سے فقط ایک نامی انسان کی شہادت شراب کے بارے مین بیان کی جائے چنانچہ ہم ذیل مین اس شہادت کے لئے جناب وائیسرائے لارڈ کرزن کی سپیچ ۔ ۔ ۔ تحریر کرتے ہین اور یہ وہ تقریر ہے جو وائیسرائے ممدوح نے بمقام سملہ ۷۔ جون ۱۹۰۱ء کو فوجی ٹمپرنس سوسائٹی کے جلسہ پر بیان فرمائی تھی چونکہ اس اسپیچ کا پڑھنا ناظرین کے لئے دلچسپی سے خالی نہین اِس لئے ہم اِس کو بجنسہ نقل کر دیتے ہین اور وہ یہہ ہے۔

اب مین اس انجمن کی کارروائی اور اس کی ضرورت پر گفتگو کرتا ہون۔ فوج برطانیہ کے اعتدال یا غیر اعتدال کے جس پہلو کو دیکھو اس نے ضرور تغیرات کی کئی منزلین طے کی ہین۔ ہمین اُن سپاہیون کے واقعات یاد ہین جن کو ساتھہ لیکر ڈیوک آف ولنگٹن نے بہت سے میدان مارے تھے اُن مین چندان اعتدال یا پرہیزگاری نہ تھی۔ وہ ادنے درجہ کے لوگون مین سے بھرتی کئے جاتے تھے اور ان ایام مین یہ عجیب وہم پھیلا ہوا تھا کہ سب سے زیادہ شرابی سب سے علاوہ لڑنے والا ہوتا ہے اگرچہ بعد کے تمام تجارب نے اس امر کو غلط قرار دیا ہے۔ ڈیوک آف ولنگٹن نے کئی بار اِس بات کو بیان کیا تھا اور وہ اپنے سپاہیون کی بہادری کی عزت کو ان کی بدیون کی نفرت کے ساتھہ پہلو بہ پہلو بیان کرتا تھا۔ لیکن وہ زمانہ اب گیا اور موجودہ زمانہ مین کوئی کمان افسر تمکو ایسا نہ ملے گا جو یہ نہ کہے کہ بہت شراب پینے والا سپاہی اخلاقی طور پر موجب ذلت اور جنگی موقع پر خطرناک ہے۔ (نعرہ خوشی) ذرا لارڈ رابرٹ کی رپورٹ جنوبی افریقہ کی جنگ مین سپاہیون کے متعلق پڑھو وہان انہین مجبوراً بھی اور خوشی سے بھی شراب سے پرہیز رکھنا پڑا کیونکہ شراب ملتا ہی نہ تھا اور باوجود اس کے انہون نے مردانہ اور شریفانہ کارروائیان کین جلکا انکی دلچسپی پر لارڈ رابرٹ نے کہا کہ مجھے خطرہ ہے کہ جس اعلی درجہ کے یہ مرد میدان تھے اب ویسے نہ رہین گے

کیونکہ وطن مین شراب پینے کے لئے بہت سی ترغیب انہین مجبور کرتی تہی - پس اب ہم ایک ایسے زمانہ مین آگئے ہین جس مین ہر ایک اس امر کو تسلیم کرتا ہے کہ پرہیز رکہنے والا سپاہی شرابی سے بہتر ہے اور اوسط درجہ کا شرابی سخت شرابی سے بہتر ہے اور . . . . **بالکل نہ پینے والا سب سے بہتر ہے** - (نعرہ خوشی) اس امر سے تو کوئی انکار نہین کر سکتا لیکن صاحبان ہمین یہان بس نہین کرنی چاہئے - یہان تک تو صرف لفظی باتین تہین اب انکو حقیقی واقعات پر لگانا چاہئے - افلاطون کے امثال کو پڑھ کر خوش ہو لینا اور رٹتے ہی مین سمجہ لینا کہ ہم اپنا کام کر چکے کچہہ فائدہ نہین رکہتا - پلیٹ فارم پر کہڑے ہو کر صرف تقریر کرنا کہ اب ہماری فوج جنگ بلکلاوہ یا جنگ واٹر لو کے ایام سے بہتر ہے اور ساہی کو اپنے مقصد کا انجام سمجہہ لینا کچہہ مفید نہ ہوگا - نہ جرگ کے اور نہ کسی اور مقام کے سپاہیون کے لئے یہ بات مفید ثابت ہوگی کہ ان عمدہ خیالات پر خوشی کے نعرے مارے جائین اور بعد مین ان ساری تقریرون کو نہایت فیاضی کے ساتہہ رجمنٹ کے شراب خانہ کے خم مین ڈبو دیا جاوے - (نعرہ خوشی) پس ہمین واقعات کی طرف توجہ کرنی چاہئے اور صرف خیالات کے ساتہہ یا نقشون کے ساتہہ اپنے آپ کو دہوکا نہین دینا چاہئے کیونکہ اگر کوئی بات خیالات سے بڑہکر غلط ہو سکتی ہے تو وہ نقشون کے ہندسے ہین - پس مین صرف اتنے پر کہ گذشتہ تاریخ کی نسبت اب بہتر حالت ہے یہ نہین کہہ سکتا کہ اب سب کچہہ درست ہے اور نہ مین مجرمون اور اردلیون کے کمرون کے نقشجات کا کچہہ حوالہ دینا چاہتا ہون تاکہ ایسا نہ ہو کہ صرف نقشون کو دیکہہ کر خوش ہو جاؤن اور سمجہ لون کہ ہمنے لڑائی جیت لی ہے مجرمون کے نقشے نہ تو کافی ہو سکتے ہین اور نہ وہ غلطیون سے خالی ہین اور وہ کمان افسر بے وقوف ہوگا جو صرف نقشون کی صفائی پر بہروسہ کر کے یہ کہہ دے سکہ اب شراب بہت نہین پی جاتی ہمین تسلیم کر لینا چاہئے اکہ اس انجمن کو بہی چاہئے کہ اس بات کو تسلیم کرے کہ اگرچہ شراب کے سبب سے جرم اب کم ہوتا ہے تاہم مین خیال کرتا ہون کہ یہ بہت زیادہ ہے اور اگرچہ شرابی اور بدانتظام تہوڑے ہین تاہم چاہئے کہ اور بہی تہوڑے ہون اور کہ اب بہی رجمنٹون مین ایک بڑی تعداد ایسے آدمیون کی موجود ہے جو کہ عادتاً سخت شرابی

ہین۔ اگرچہ اُن سے کوئی جرم صادر نہ ہوا ہو اور اگرچہ وہ حد سے باہر نہ ہو گئے ہون تاہم وہ حد پر پہنچ چکے ہین۔ اسکلے دن مجھے ایک انگریزی فوج کا نقشہ دکھایا گیا جسمین یہ لکھا تھا کہ صرف ایک رجمنٹ مین ایک مہینہ کے اندر (۲۰۸۰) دو ہزار اسی من شراب پیا گیا ہے اور اس رجمنٹ مین بیمارون اور نہ پینے والون کے سوائے کُل ۳۸۰ آدمی ہین اِس سے یہ اوسط نکلی کہ ہر ایک آدمی ہر روز قریبًا تین سیر شراب پیتا ہے اور اگر ان مین بعض آدمی تھوڑا پینے والے ہونگے تو پھر قیاس کیا جا سکتا ہے کہ بہت پینے والے کس کثرت سے پیتے ہونگے اس انجمن کو چاہئے کہ ایسے آدمیون کو اپنے مین ملائے۔ ہمین صرف یہی نہین چاہئے کہ جرم کے روکنے کی خاطر سخت شراب خوری کو بند کردین بلکہ ہمارا یہ منشاء ہے کہ ایسی شراب خوری کو بھی روکا جائے جس سے جسمانی اور اخلاقی قویٰ کو نقصان پہونچتا ہے۔ مین یقین کرتا ہون کہ اگر ہر ایک کمان افسر کو یہ کہا جائے گا کہ تمہاری حکومت تمہاری رجمنٹ کی پرہیزگاری سے جانچی جائیگی اور شراب خانہ کی رونق ایک خراب کرنیل کی نشانی ہوگی تو اس سے بہت فائدہ ہوگا۔ اور مین یہ تجویز مین کمانڈر ان چیف کے آگے باادب پیش کرتا ہون۔

اب صرف ایک اور امر باقی ہے جس کی طرف مین اس انجمن کو توجہ دلانا چاہتا ہون اور وہ ایک زیادہ وسیع خیالات کی بات ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم سب کو برٹش تاج کے نائب یعنے وائسرائے ہند سے لیکر ایک معمولی سپاہی تک۔۔۔ کس طرح اپنا رویہ رکھنا چاہئے۔ ہم سب کو چاہئے کہ اپنے وطن کی خاطر ایک نمونہ قایم کرین جو آدمی نیک نمونہ قائم کرتا ہے وہ اپنے فرض کو ادا کرتا ہے۔ لیکن شرابی کیا نمونہ قائم کرے اور کونسا نمونہ وہ قائم کرسکتا ہے وہ جو شراب کی عادت کو پاؤن کے نیچے کچل ڈالنے کی بجائے اُسکے آگے گرجاتا ہے وہ کیا نمونہ قائم کریگا۔ اس موقع پر یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ دیسی سپاہی بھی شراب پیتے ہین کیونکہ ایک کا گناہ کرنا دوسرے کے واسطے موجب معذرت نہین ٹھہرسکتا۔"

اب اس تمام تقریر سے ظاہر ہے کہ عیسائی قوم مین شراب نے بڑی بڑی خرابیان پیدا کی ہین اور بڑی بڑی مجرمانہ حرکات ظہور مین آئی ہین لیکن تمام گناہون کا منبع اور میدا

مسیح کی تعلیم اور اسکے اپنے حالات ہین۔ جس شخص کے نمونہ کو دیکھ کر پرہیزگاری مین لوگون
نے ترقی کرنا تہا جب کہ وہی خود شراب کا مرتکب ہوا۔ پہران بے جا حرکات مین اوروں کا کیا
گناہ ہے اور جس حالت مین مسیحی لوگ یقیناً جانتے ہین کہ ہمارا رہبر اور ہادی شراب پینے کا
شائق تہا بلکہ عشاء ربانی سے اس نے شراب خواری کو دین کی جز ٹہرا دیا تہا تو اس صورت مین
کسی دوسرے کی تقریر سے ان پر کیا اثر پڑ سکتا ہے اگر ایسی سیچون کے وقت ایک آیت بہی
شراب کے حرام ہونے پر پیش ہو سکے جس کے نہ ملنے کا ہر ایک پرہیزگاری کے واعظ کو افسوس
ہوگا تو ان سیچون مین سچائی کی روح پڑ جائے اور دلون پر ان کا فوق العادت اثر ہو لیکن وے لوگ
جو عیسائی کہلاتے اور انجیل شریف پر فدا ہین جبکہ وہ شراب خوری کی انجیل مین ممانعت نہین
پاتے بلکہ حضرت مسیح کو جس سے وہ پیار کرتے ہین خود اس کا مرتکب دیکہتے ہین تو کیونکر وہ شراب
سے رک سکتے ہین انسان بالطبع اپنے ہادی اور پیشوا کی پیروی کرتا ہے اور اسکے نمونہ پر چلتا ہے
پہر جبکہ مسیح نے شراب سے بچنے کا نمونہ نہین دکہلایا اور اسی وجہ سے اس کو کہاؤ پیو کہا گیا تو
کیونکر عیسائیون کو شراب چہوڑنے کی طاقت مل سکتی ہے اب ہزار کوشش کرو بے فائدہ اور ہزار
سعی کرو لا حاصل کیونکہ آپ لوگون کے پیشوا کی زندگی مین اس قسم کی پرہیزگاری اور معصومیت
نہین۔ ہم قبول کرتے ہین کہ عیسائی قوم کی عصمت کو اس خانہ خراب شراب نے قوت غضبیہ اور
شہویہ کے اشتعال دینے سے بڑا نقصان پہنچایا ہے لیکن ہم قبول نہین کر سکتے کہ عیسائیت کے
دائرہ مین رہ کر ہر ایک طبیعت اور فطرت کا آدمی شراب سے کامل پرہیز کر سکتا ہے الا شاذ و نادر جو معدوم
کے حکم مین ہے۔

ہمین افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ شراب کی اباحت نے انجیل کی تمام اخلاقی تعلیم کو
بیکار کر دیا ہے مثلاً یہ سچ ہے کہ یہ فقرہ اپنی ظاہری صورت مین بہت عمدہ ہے کہ شر کا مقابلہ نکر
اور اگر کوئی شخص تیری دائین گال پر طمانچہ مارے تو تو دوسری بہی پہیر دے۔ لیکن ہم پوچہتے ہین کہ
کہ ایک شراب خوار آدمی اس حکم کا پابند رہ سکتا ہے؟ کیا وہ ایک دانت نکالنے سے غصہ مین
آکر چار دانت نہین نکال دیگا؟ ایسا ہی انجیل کا یہ فقرہ کہ جو شخص بیگانہ عورت کو شہوت کی

نظر سے دیکھتا ہے وہ دل مین اس سے زنا کر چکا۔ یہ دیکھنے مین تو اچھا ہے لیکن عقلمندون مین سے کون ہے جو اس بات کو قبول کرے کہ ایک مے خوار آدمی جب نشے سے بدمست ہو اور شہوت غالب اور نفس طالب ہو تو وہ ایسی حالت مین اپنی نظر پاک رکھ سکتا ہے نہین بلکہ مین سچ سچ کہتا ہون کہ وہ نہ صرف صلح سے بدکاری مین مبتلا ہو گا بلکہ چونکہ وہ شراب سے اندھا ہے لہذا وہ زنا بالجبر کا بھی مرتکب ہو گا۔ ایسی تعلیم جس نے گناہ سے تو منع کیا ہے لیکن گناہ کے جو اصل موجبات ہین اُن کے بڑے چوڑے دروازے کھول دئیے ہیں وہ حقیقی نیکی پر قائم نہین کر سکتی۔

اس بارہ مین قرآن کریم کی تعلیم

اِس کے مقابل پر قرآن شریف نے ایک طرف تو شراب کی مذمتین بیان کر کے اور پرہیزگاری کی دشمن ٹھہرا کر قطعی طور پر اس کو حرام کر دیا ہے اور پھر دوسری طرف آنکھ اور دل کو محفوظ رکھنے کے لئے یہ بھی تعلیم دی ہے کہ ایک بیوی کرو یا دو یا تین یا چار لیکن حرامکاری سے اپنے تئین بچاؤ کیونکہ جو شخص اپنے تئین پاک رکھنے کے لئے چند بیویون سے نکاح کرتا ہے وہ اس سے اچھی حالت مین ہے جو ایک بیوی رکھتا ہے مگر اُس سے موافقت نہین رکھتا اور حرامکاری مین پڑتا یا ہمیشہ اپنی نظر ناپاک رکھتا ہے۔ جو شخص شراب نہین پیتا اور پھر ضرورت محسوس کر کے ایک بیوی کے بیمار ہونے کی حالت مین یا کسی اور وجہ سے ناقابل اور موجب نفرت ہونے کی حالت مین دوسری بیوی نکاح مین لاتا ہے اور دونون کے حقوق کی رعایت رکھتا ہے وہ سچا پرہیزگار ہو کر فرشتون کی طرح زمین پر چلتا ہے اِس کا یہی ثبوت کافی ہے کہ اس قسم کے لوگ کثرت کے ساتھ پرہیزگار پاؤ گے۔ میرے نزدیک اس شخص سے بڑھ کر کوئی خطرناک حالت مین نہین ہے جو ایک طرف تو شراب پیتا ہے جو شہوتون کو اُبھارتی اور جوش دیتی ہے اور دوسری طرف اس کی کوئی بیوی نہین ہے جس سے وہ اُن متحرک شدہ شہوتون کو محل پر استعمال کر سکے۔

آنحضرت صلعم ... [illegible]

اِسی وجہ سے مین اپنے سچے دل سے اپنے سید و مولےٰ النبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بمقابل حضرت مسیح کے بہت پیار سے دیکھتا ہون اور معصومیت کے اعلےٰ اور اکمل مقام پر پاتا ہون کیونکہ محسن حقیقی نے جو پرہیزگاری کے اسباب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کئے وہ حضرت

مسیح کو عطا نہین کئے ہین - مین شریر انسانون کی طرح خواہ نخواہ کی رعائت نہین کرتا اور نہ کسی
خدا کے مقدس اور راستباز پر بیہودہ حملہ کرنا چاہتا ہون - لیکن مین نے خوب غور کرکے دیکھا
ہے اور جہان تک فکر کام دے سکتا ہے خوب سوچا ہے - میرے نزدیک جبکہ مسیح شراب سے
پرہیز رکہنے والا نہین تہا اور کوئی اسکی بیوی بہی نہین تہی تو گو مین مانتا ہون کہ خدا نے اس کو
بہی برے کامون سے بچایا - لیکن مین کیا کرون میرا تجربہ اس بات کو نہین مانتا کہ وہ عصمت مین
ایسا کامل ہو سکے جیسا کہ وہ دوسرا شخص کہ جو نہ شراب پیتا ہے اور نہ حلال وجہ کی عورتون سے
اسکو کچھ کمی ہے گو یہ جواب دیا جاتا ہے کہ مسیح کا یہ بہی ایک معجزہ تہا کہ باوجود شراب پینے اور باوجود
کسی بیوی کے نہ ہونے کے پہر بہی وہ پرہیزگاری پر قائم رہا - لیکن جب مین دیکھتا ہون کہ
شریر دشمنون نے انہی واقعات کو مدنظر رکھکر مسیح پر یہہ الزام لگائے ہین کہ کیون اس نے مریم
نام ایک کنجری کو یہہ موقع دیا کہ اس نے اس کو چہوا اور اسکے سر پر اپنے ہاتھون سے تیل ملا اور
پیرون کو اپنے بالون سے پونچھا اور کیون اس نے ایک دوسری عورت کو جو فاحشہ کرکے مشہور
تہی جسکا نام بہی مریم تہا ہمیشہ اپنے پاس رہنے دیا - تو مجھے خیال آتا ہے کہ کاش ایسے معجزہ
سے مسیح اپنے تئین بچاتا تو اچھا ہوتا - مسیح کا یہ فرض تہا کہ ایسی عورتون کو جو جرائم کاریون مین شہرت
پاچکی تہین اپنے پاس سے دفع کرکے حواریون مین ایک نیک نمونہ قائم کرتا - اب دشمنون
کا یہی تو اعتراض ہے کہ اس نے ایک غرض کے ادا کرنے مین اسی وجہ سے کمزوری دکھلائی
کہ وہ شراب کا عادی اور نعوذباللہ اسکے شہوت انگیز جذبات مین گرفتار تہا - ایسا اعتراض
کرنے والے صرف یہودی ہی نہین بلکہ وہ بہی ہین جو عیسائی قوم مین سے ہین اور نہایت بیقیدی
سے ایسے اعتراض مسیح کے چال چلن پر کرکے پہر ان رسالون کو نہ صرف لنڈن کے بازارون
مین تقسیم کرتے بلکہ ہندوستان اور دوسرے ملکون مین بہی شایع کرتے ہین -

مین دیکھتا ہون کہ اب انیس سو برس کے بعد عیسائی صاحبون کو محسوس ہوا ہے کہ شراب
پینا ایسا گناہ ہے جو اخلاق کو بگاڑتا اور پرہیزگاری کا ستیاناس کرتا ہے اور ان کے جنٹلمین اس
کوشش مین ہین کہ اس بدعات کا اپنی قوم مین سے استیصال کرین - لیکن میرے خیال مین

ایسی کوشش کرنا مسیح سے آگے قدم رکھنا ہے یا ایک نئی انجیل بنانا۔ مین دیکھتا ہون کہ وہ سبق جو زمانہ دراز کی شراب خواری نے عیسائی صاحبون کو دیا ہے اور وہ مشکلات جو اون کو پیش آئی ہین وہ قرآن شریف کی تعلیم کی طرف ان کو کھینچ رہی ہین۔ مجھے اس سے تعجب آتا ہے کہ جو شراب خواری کا خوفناک نقشہ لارڈ کرزن نے اپنی اسپیچ مین کھینچا ہے وہی نقشہ نہایت موثر الفاظ مین قرآن شریف مین ہم پاتے ہین لیکن فرق اتنا ہے کہ قرآنی نقشہ تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے سکھایا اور اس سپیچ کا نقشہ لارڈ کرزن کو زمانہ نے اور خرابیون کے مشاہدہ نے بتایا۔ لارڈ کرزن نہایت مدبر اور اصلاح کے کامون مین سرگرم معلوم ہوتے ہین اور انکی اسپیچ مین گورنمنٹ اور قوم کی ہمدردی کی روح موجود ہے اگر اُن کے لئے ممکن ہوتا تو وہ ایسی موثر اسپیچ مین ضرور کوئی انجیل کی آیت بھی یاد دلاتے اور اگر یہ اسپیچ کسی افسر مسلمان کی طرف سے ہوتی تو وہ پرزور قرآنی آیات سے دکھلاتا کہ کس قدر خدا شراب پینے والون پر ناراض ہے۔ بہرحال غنیمت ہے کہ ایسے بیدار مغز اعلیٰ افسر گورنمنٹ اور رعایا کے خیر خواہ نے تسلیم کر لیا ہے کہ درحقیقت شراب مجرمانہ حرکات کی موجب ہوتی ہے اور اخلاقی اور روحانی قوٰے پر بہت بُرا اثر ڈالتی ہے۔

پس اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ اخلاقی تعلیم بے فائدہ ہے جس مین شراب کی ممانعت نہین۔ شراب خورون کو عفو اور درگذر کی تعلیم کرنا اور شہوت کی نظر سے روکنا اس کی ایسی ہی مثال ہے کہ جیسے ہم ایک شخص کو ایک دوا سے بیہوش کر دین اور پھر اس سے ہوشمندون کے کام لینا چاہین۔ نبی کے لئے اہم امر یہ ہوتا ہے کہ وہ گناہون کے اصل اسباب اور موجبات معلوم کر کے اُن کے دور کرنے کے لئے کوشش کرے اور جب وہ دور ہو جائین گے۔ تو خود گناہ کا سیلاب رک جائے گا۔ سو قرآن اور انجیل مین یہ فرق ہے کہ انجیل نے تو گناہ کے علل اور اسباب سے نظر اندازی کر کے محض چند اخلاقی فقرون کے بولنے سے لوگون کو خوش کرنا چاہا ہے اور قرآن نے حکیم حاذق اور سچے ہمدرد کی طرح اُن علل اور اسباب اور موجبات کو درمیان سے اٹھانا چاہا ہے جو اخلاقی خباثت کو پیدا کرتے ہین۔ پس اس جگہ اُن لوگون کو غور کرنا چاہئے جو خواہ نخواہ انجیلی تعلیم

[illegible]

پرہیز کرتے اور اخلاقی خزانہ کی اس کو کنجی سمجھتے ہین۔ ہم سچ سچ کہتے ہین کہ انجیلی تعلیم نے شراب کو حلال اور مباح کر کے اخلاقی حالات کو بڑا نقصان پہنچایا ہے۔ رحم۔ انصاف راستبازی۔ پرہیزگاری۔ جو کچھ عمدہ صفتین ہین اُن سب کی شراب دشمن ہے۔ پھر جب تک ایک گھر مین دشمن موجود ہے کیونکر توقع ہو سکتی ہے کہ اُس گھر والے اُس دشمن کے حملہ سے بچ سکین۔

(باقی آئندہ)

ریویو آف ریلیجنز 1902ء کے مارچ کے بعد اور اپریل سے پہلے

119 سے 126 تک pages نہیں ملے۔